فروری ۲۰۱۹ء

ماہنامہ ولی اللہ

ارمغان

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ نمبر

ARMUGHAN, PHULAT, پھلت ضلع مظفر نگر
MUZAFFAR NAGAR-251201, (U.P.)
www.armughan.net

₹25/-

ماہنامہ ولی اللہ

ارمغان

جلد ۲۷ شمارہ ۲ فروری ۲۰۱۹ء مطابق جمادی ثانی

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی نمبر

سر پرست :

حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی

مجلس مشاورت

☆ مولانا محمد طاہر ندوی

☆ مولانا محمد اقبال قاسمی

☆ مفتی محمد ہارون مظاہری

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں
ہر قسم کی چارہ جوئی کیلئے مظفرنگر کی عدالت سے رجوع کیا جائے

مدیر

وصی سلیمان ندوی

پتہ

دفتر ارمغان

پھلت ضلع مظفر نگر

Phulat, Distt. Muzaffar Nagar

251201 (U.P.) INDIA

Mob : +91-7060450315

9359774316 , 9412411876

e-mail : arm313@gmail.com

armuganphulat@yahoo.com

Website: www.armughan.net

زرتعاون

❖ فی شمارہ 25 روپے ❖ سالانہ 300 روپے ❖ سالانہ رجسٹرڈ ڈاک سے 500 روپے

❖ اعزازی تعاون 1000 روپے ❖ بیرونی ممالک سے 30 امریکی ڈالر ❖ لائف ممبرشپ 8000 روپے (برائے ۲۰ سال)

پرنٹر پبلشر محمد ادریس قریشی نے ڈیلکس پریس راج مارکیٹ مظفرنگر سے چھپوا کر جمعیت شاہ ولی اللہ کیلئے پھلت ضلع مظفرنگر سے شائع کیا

(مدیر: وصی سلیمان ندوی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

☆	(اداریہ)	وصی سلیمان ندوی	۴
☆	ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا	مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۶
☆	ایک جان دو قالب، دو بھائی	محمود دریابادی	۷
☆	حضرت مولانا سید محمد واضح حسنی نور اللہ مرقدہ	مولانا محمد کلیم صدیقی	۸
☆	مفکر اسلام اور معاصرین کی نظر میں	مولانا مطیع الرحمٰن عوف ندوی	۱۵
☆	مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں	ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی	۱۸
☆	واضح دیار علم کے روشن چراغ تھے	مولانا ہاشم نظام ندوی	۲۰
☆	مولانا واضح رشید حسنی	حفیظ نعمانی	۲۵
☆	مولانا واضح رشید ندوی سے ایک اہم انٹرویو	مرتب: مولانا قمر الزماں ندوی	۲۶
☆	علم، تواضع اور شرافت کا پیکر	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	۳۰
☆	مولانا واضح کتنے خوش قسمت نکلے	مولانا ممشاد علی قاسمی	۳۲
☆	پیارے استاد کی بعض خصوصیات	سید خلیل حسنی ندوی	۳۵
☆	ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے	ڈاکٹر محمد عاشق صدیقی ندوی	۳۷
☆	ذکر اس رشک کرّوبیاں کا	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی	۴۱
☆	افراد ساز شخصیت	مولانا محمد فرمان ندوی	۴۴

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت **فروری** سے ختم ہورہی ہے، رسالہ کو مسلسل جاری رکھنے کے لئے دفتر کو اطلاع دیں یا فوراً رقم ارسال فرمائیں۔

فہرس

☆	کس درجہ سوگوار ہے یہ صحن وبام ودر (نظم)	محمد عرفان	۴۶
☆	بعض اہم تصانیف کا مختصر تعارف	مولانا مطیع الرحمٰن عوف ندوی	۴۷
☆	بجھ بھی گیا تو کیا، شب فردا کا ہے چراغ	ڈاکٹر محمد راشد ندوی	۵۲
☆	ملت کا آئینہ تھے واضح رشید ندوی (نظم)	عبدالرب حماد پھلتی	۵۴
☆	ایک مفکر دماغ تھا، نہ رہا	مولانا حیدر علی ندوی	۵۵
☆	اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر	عبید الرحمٰن نعمانی	۵۷
☆	عظیم خانوادہ کا عظیم فرزند	مولانا راحت علی صدیقی قاسمی	۵۹
☆	شمع روشن بجھ گئی بزم سخن ماتم میں ہیں	مفتی محمد زبیر ندوی	۶۲
☆	عالم گیر ماتم	مولانا محمد حنیف قاسمی	۶۴
☆	نسیم ہدایت کے جھونکے (انٹرویو)	قاری حنیف ڈار	۶۶
☆	خبر وکی دنیا	محمد ادریس ولی اللہی	۷۱
☆	آخری صفحہ	مولانا محمد کلیم صدیقی	۷۲

سرکولیشن انچارج: محمّد حنیف قاسمی
سرکولیشن منیجر : عبدالقدیر انصاری
مشیر اعزازی: ایوب بھائی بارڈولی والے

چیف رپورٹر : محمد ادریس قریشی
مشیر قانونی : امجد علی ایڈوکیٹ
موبائیل : 9897354040

اس شمارہ کی قیمت : =/50 روپئے

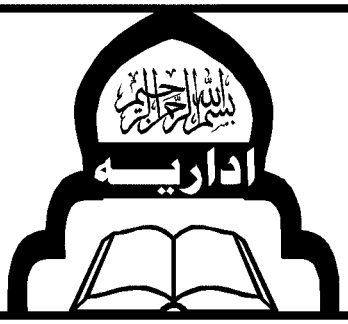

ادار یہ

چراغ دین ودانش بجھ گیا ہندی مسلماں کا

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی کی رحلت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حقیقی بھانجہ، خاندان سید شاہ علم اللہ نقش بندی کے وارث، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے عظیم استاذ، علم ودین، زبان وادب، اور تاریخ وتہذیب اسلامی کے مثالی اسکالر، ایک سچے اور نیک دل انسان استاذ الاتذہ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس ماہ کی ۱۶ / جنوری کو ہونے والا حادثہ وفات صرف ایک ذات اور شخصیت کا حادثہ نہیں، بلکہ یہ ایک فکر ، ایک نظریہ، دردمندی کی ایک روایت، اور فکر ونظر کے ایک سلسلہ کا سانحہ ہے، ان کی شخصیت اتنی ہمہ جہت اور ہشت پہل تھی کہ اس کا ہر زاویہ دلکش اور تابناک تھا، اور جب ان کی وفات کی شکل میں ایک دنیا کو اس سے محرومی کا صدمہ اٹھانا پڑا تو ہر آنکھ پرنم، اور ہر دل غم زدہ ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات پر جس طرح صف ماتم بچھی، اور جس طرح انھیں خراج عقیدت پیش کیا گیا وہ آج کی مصروف ترین اس دنیا کے لئے ایک مثال ہے۔

مرکز دین ودانش اور گہوارہ علم وادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے اصحاب قلم اور ارباب فضل وکمال نے جن موضوعات کو اپنی قلم کی جولان گاہ بنایا، اور ایک کتب خانہ تیار کردیا، ان میں دینی اور مذہبی عنوانات کے علاوہ زبان وادب اور فکر اسلامی کا عنوان سب سے روشن ہے، ان میں سے بعض شخصیتیں ایسی باکمال ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک مکمل ادارہ کی حیثیت رکھتی ہے، ان میں سید الطائفہ علامہ سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالسلام ندویؒ، مولانا عبد الباری ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا سید محمد الحسنیؒ، مولانا محمد ثانی حسنیؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اور مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے نام خاص طور پر نمایاں ہیں، ان صاحبان فضل وکمال میں جن کی علمی فتوحات، قلمی نگارشات اور پرکشش تحریروں نے بالعموم پورے عالم اسلام کو اور بالخصوص عالم عرب کو بہترین علمی وفکری غذا فراہم کی اور ان کی فکر کو صحیح سمت عطا کی، مولانا سید محمد واضح رشید ندوی کا نام نامی بھی ایک ستارہ کی مانند چمکتا اور دمکتا دکھائی دیتا ہے۔

وہ ایک کہنہ مشق استاذ تھے، اور ایک اچھے استاد کی تمام صفات اپنے اندر رکھتے ہیں، جس کی شہادت چالیس برس کی مدت پر محیط ان کا ہر شاگرد دے رہا ہے، وہ ایک مفکر تھے جس پر ان کی فکر انگیز کتابیں شاہد عدل ہیں، ان کتابوں کے عنوانات، اور مباحث خاص طور پر ایسے عالمانہ اور مفکرانہ ہیں، جن سے ذہن ودماغ کے دریچے کھلتے ہیں، اور فکر وفن کی راہ ہموار ہوتی ہے، اور بڑے بڑے اہل علم نے اس میدان میں ان کی سبقت کو تسلیم کیا ہے، وہ ایک ادیب تھے، اور خاص طور پر عربی زبان کے ادیب، اور اس موضوع پر ان کی لازوال تحریروں نے ایک

مدت تک اہل علم کے دلوں پر حکمرانی کی ہے، ادب اھل القلوب جیسی ان کی کتابیں زبان وادب کا شیش محل ہیں جن کے دریچوں سے ادب کی رفتار اور کردار متعین کیا جاتا ہے، وہ ایک مؤرخ تھے، سیاست وجہاں بانی کے بھی، تصوف وسلوک کے بھی، اور عربی زبان وادب کے بھی، ان کی تاریخ نویسی کا اسلوب پرکشش اور مؤثر ہونے کے ساتھ شبلی وسلیمان اور مفکر اسلام کی روایت کا ترجمان ہے۔ وہ ایک منتظم تھے، اس لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں متعدد اہم ذمہ داریوں پر فائز رہے، کلیۃ اللغہ العربیہ کے علاوہ المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کے پلیٹ فارم سے انھوں نے افراد سازی کا بے مثال کارنامہ انجام دیا، اور چراغ شام سے سیارے، بلکہ انگھڑ پتھروں سے ہیرے تراشنے کا کام کیا، ان میں سے کئی ایک افراد اپنے فن میں یکتا ہیں، اور لعل وگہر پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔

ان سب صفات کے علاوہ وہ ایک اچھے اور سچے انسان تھے، اور ایک بہتر انسان کی تمام صفات ان میں موجود تھیں، حسن اخلاق سے آراستہ، نبوی خصوصیات کا نمونہ، اسی کے ساتھ غیبت، حسد، کینہ وبغض جیسی بری صفات سے وہ اتنے دور اور نفور تھے، کہ ان کے شاگردوں نے ان کے بارے میں گواہی دی کہ ان کے اندر غیبت سننے اور یا برداشت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی، ان کی ایک بہت اہم خصوصیت جو اس دور میں نایاب ہے، بے ضرر بن کر رہنا، اور کسی کو ادنیٰ سا نقصان پہنچانے سے اجتناب ہے، بلاخوف کہا جاسکتا ہے کہ روئے زمین پر کسی بھی آدمی کو ان کی ذات سے تکلیف نہیں پہنچی ہوگی، اور کوئی بھی شخص ان کی طرف سے ستایا ہوا نہیں مل سکے گا۔

ان صفات کے ساتھ وہ عالم اسلام کی تمام دینی تحریکات، اور ملک بھر کے تمام دینی ودعوتی کاموں کے قدرشناس، اور ان کے معاون تھے، سیکڑوں مدارس اسلامیہ، تبلیغی جماعت، دعوتی تحریکیں، تصنیفی ادارے، اور تنظیمی امور ان سے فیض یاب تھے، اور ان کو اپنا سرپرست یا معاون تسلیم کرتے تھے، داعی اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی کی قیادت میں قائم ہماری دینی اور دعوتی تحریک کے بھی وہ ایک سرپرست تھے، اور اس کے لئے دامے درمے نہ صرف تعاون کرتے تھے، بلکہ اس کے سلسلہ میں کلمہ خیر کہنے سے دریغ نہیں کرتے تھے، مولانا کلیم صدیقی کی کئی دعوتی کتابوں پر انھوں نے بہت تائیدی، اور بصیرت افروز پیش لفظ تحریر فرمائے، اور ان کے اچھے مضامین کی داد عطا کی۔

اس لئے ان کی وفات، ہماری تحریک، اور ہمارے ادارہ ارمغان کے لئے بھی بہت بڑا حادثہ اور ایسا خلا ہے، جس کا پر ہونا آسان نہیں، اپنی تحریک کے ایک محسن وسرپرست، اور اتنی ساری خصوصیات رکھنے والے ایک بزرگ کا یہ حق تھا کہ ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنے اور ان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ایک خاص نمبر شائع کیا جائے، جلد بازی میں شائع کیا گیا یہ شمارہ، ظاہر ہے ان کی شخصیت اور کمالات کے احاطہ کا دعوی نہیں کرسکتا، لیکن ہم نیاز مندوں کی طرف سے ان کی عظیم اور تابندہ تر زندگی کا ایک مرقع دکھانے کی ایک معمولی سی کوشش ضرور ہے، اس موقع پر جہاں ہم اپنے قارئین کے شکر گذار ہیں جن کی مسلسل کرم فرمائی کے باعث ہم اتنی بڑی تعداد اشاعت کے ساتھ میدان عمل میں موجود ہیں، وہیں ہم اپنے مضمون نگاروں کے بھی شکر گذار ہیں جنھوں نے اتنے کم وقت میں ایسے قیمتی مضامین تحریر فرمائے اور رسالہ کو بروقت شائع کرنے میں ہمارا تعاون کیا، ان الفاظ کے ساتھ یہ بضاعت مزجاۃ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا

(مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے انتقال پر چند تأثرات)

حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ا

بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر اندوہ گیں سنی گئی کہ مشہور عالم دین، عربی زبان کے بے مثال ادیب، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم پندرہ روزہ عربی رسالہ کے چیف ایڈیٹر، عالمی رابطہ ادب اسلامی کے جنرل سکریٹری، میرے مخلص اور وفا شعار رفیق جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ۹/ ۴/ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶/ فروری ۲۰۱۹ء کو طلوع صبح صادق کے آخری لمحات میں دار آخرت کی طرف روانہ ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا واضح رشید حسنی ندوی خانوادۂ علم اللّٰہی کے اہم فرد تھے، میرے مرشد و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے حقیقی بھانجہ اور استاذ گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے چھوٹے بھائی تھے، ان کی پیدائش ۱۹۳۲ء میں ہوئی، وہ مجھ سے درجہ میں دو سال آگے تھے، فراغت کے بعد وہ آل انڈیا دہلی ریڈیو اسٹیشن میں ملازم ہوگئے، اور ۱۹۷۳ء تک وہاں رہے، اس درمیان بھی ان کی ندوہ آمد و رفت رہتی، میرے دوست اور مخلص رفیق مولانا محمد الحسنی ان کے برادر نسبتی تھے، اس لئے دونوں میں بڑی بے تکلفی تھی، وہ ہم دونوں کی مجلس میں شریک ہوتے، اور علمی اور ادبی موضوعات پر اچھی گفتگو ہوتی تھی، ۱۹۷۳ء میں وہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریس کے لئے آئے اور اسی وقت سے اخیر تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر علمی اور ادبی مجالس کا لطف دوبالا ہوگیا، وہ پندرہ روزہ الرائد کے ایڈیٹر بنائے گئے، اور اور البعث میں بھی شریک ادارت رہے اور حالات حاضرہ پر ان کے مضامین بڑے تجزیاتی اور مدلل ہوتے تھے، وہ اردو، انگریزی اور عربی کئی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے، اس لئے تینوں زبانوں کی صحافت پر گہری نظر تھی، عالمی حالات پر ان کا مطالعہ بڑا گہرا تھا، وہ درجنوں کتابوں کے مصنف تھے، فکری موضوعات پر ان کی کئی کتابیں ہیں، یورپ کے تعلیمی نظریات سے واقف تھے اور اس کے عروج و زوال کی تاریخ کا انہوں نے خوب مطالعہ کیا تھا، جس کی جھلک ان کی گفتگو میں نمایاں تھی۔ وہ کسی مسئلہ پر بحث کرتے تو اس کے مالہ و ماعلیہ کو پیش نظر رکھتے۔ عام طور پر وہ تقریر نہیں کرتے تھے، لیکن جب بھی تقریر کی، مواد سے بھر پور تقریر کی۔ وہ اعلی علمی ذوق کے حامل، یکسوئی کے عادی، انفرادیت پسند اور گوشہ گیر اور بے لوث تھے۔

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندویؒ قلم کے مجاہد تھے، انہوں نے ایک طویل زمانہ تک قلم سے جہاد کیا، اور ایوان باطل کو للکارا، وہ مداہنت اور دوہری پالیسی کے قائل نہیں تھے، بہت صاف دل اور اعلی دماغ کے مالک تھے، عہدہ و منصب سے دور رہتے تھے، مال و منال کی ذرا بھی پرواہ نہ تھی، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم کا عہدہ جب سنبھالا تو اپنی تنخواہ سے بھی دستبردار ہوگئے، اور رضائے الٰہی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ دار العلوم کے تعلیمی نظام کو مستحکم بنانے میں ان کے مشورے بڑے قیمتی اور مفید ہوتے اساتذہ کو بھی انفرادی ملاقاتوں میں مقصدیت کے ساتھ تدریسی

فریضہ انجام دینے تاکید کی، ان پر افراد سازی کی فکر غالب تھی، انہوں نے کئی نسلوں کی تربیت کی، اوران کو عربی کا اچھا انشاء پرداز بنایا، اللہ تعالی نے ان کو اس فن میں کمال عطا فرمایا تھا، عربی زبان و ادب کی تدریس ان کا شروع ہی سے موضوع تھا، وہ زبان کے رموز سے آشنا تھے، اوراسی کے مطابق تربیت کرتے تھے، وہ کم گو تھے، لیکن ان کی گفتگو میں بڑی معنویت ہوتی تھی۔

ان کی وفات سے ندوۃ العلماء میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، ندوہ اپنے ایک علمی اور تعلیمی محسن سے محروم ہو گیا، وہ دنیا سے تو چلے گئے لیکن جریدۂ عالم پر اپنے نقوش ثبت کر گئے، جس پر ان کی تصنیفات گواہ ہیں۔ انہوں نے اپنے پیچھے علمی و دینی صلاحیتوں سے بھرپور ایک کنبہ چھوڑا، ان کے صاحبزادے مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی ہیں، ان کی کئی اولادیں ہیں، جو ماشاء اللہ بہت ذی استعداد اور باصلاحیت ہیں۔ ان کے علاوہ شاگردوں کی بڑی تعداد ان کے وفات پر گریہ کناں ہے۔

اللہ تعالی ان کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور ان کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائیں اوران کے درجات بلند فرمائیں۔

یک جان دو قالب دو بھائی

محمود احمد خاں دریابادی (ممبئی)

متناسب قد وقامت، صبیح چہرہ، عینک کے پیچھے جھانکتی ہوئی روشن آنکھیں، سادہ سفید کرتا، چوڑی موری کا پاجامہ، نہ عالمانہ طمطراق، نہ زاہدانہ عشوہ طرازیاں اور نہ ہی خطیبانہ ادائیں۔

یہ تھے "سادگی وپُرکاری، بےخودی وہشیاری" کا مرقع، عالی نسب، عالی خاندان، عالم اسلامی کی عظیم درسگاہ ندوۃ العلماء کے بزرگ استاذ، البعث الاسلامی اور الرائد کے مدیر مشہور عربی اور اردو کے انشاپرداز حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی!

ان کی دیگر خصوصیات تو ندوہ کے فضلاء اوران کے شاگردان رشید جن کی تعداد بلا مبالغہ پوری دنیا میں ہزاروں ہوگی بیان کریں گے، مجھے تو ان دونوں بھائیوں (حضرات مولانا رابع صاحب اور حضرت مولانا واضح صاحب) کے آپسی تعلق، اوران کے بیچ غیر معمولی اخوت ومحبت کو میں نے جو محسوس کیا ہے اس پر کچھ کہنا ہے:

ممبئی میں جب بھی حضرت مولانا رابع صاحب کا سفر ہوا ہم نے ہمیشہ مولانا واضح صاحب کو ان کے ہمراہ دیکھا، ممبئی آمد کے بعد یہاں جتنے پروگرام ہوتے ان میں بھی دونوں بھائی ساتھ ہوتے، ممبئی کی قیام گاہ پر جب بھی میری ملاقات کے لئے حاضری ہوتی دونوں بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا، ندوہ جانا ہوتا تو وہاں بھی مہمان خانہ میں دونوں حضرات کی زیارت ہوتی، دونوں کی چارپائیاں آس پاس رہتیں، ایک مرتبہ مہمان خانہ پہنچا تو دیکھا کہ دونوں اپنے اپنے بستر پر کاغذ قلم سنبھالے لکھنے میں مصروف ہیں، برادر کُشی کے اس دور میں دو بھائیوں کے درمیان ایسی محبت اور ہم مزاجی بہت مشکل سے ملے گی۔

آج مولانا واضح صاحب کے انتقال پر ایک زمانہ سوگوار ہے، لیکن ذرا سوچئے سائے کی طرح ساتھ رہنے والے بھائی کی جدائی پر مولانا رابع صاحب پر کیا گذر رہی ہوگی۔ "یک جان دو قالب" نظر آنے والی شخصیات کا ایک حصہ بچھڑ گیا۔

ایسے میں ہم لوگوں کو جہاں مولانا واضح صاحب کے بلندی درجات، ان کے پسماندگان کے لئے صبر جمیل اور ملت کے لئے نعم البدل کی دعائیں کرنی چاہئیں، وہیں حضرت مولانا رابع صاحب کے لئے اس اندوہناک سانحہ سے گذرنے کا حوصلہ اور صحت وعافیت کے ساتھ درازیِ عمر کی دعائیں بھی کرنی چاہیے، ابھی ملت کو اُن کی بہت ضرورت ہے۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی نور اللہ مرقدہ

◉ ایک عالمی مفکر ◉ ایک دردمند داعی ◉ ایک بے ضرر انسان

مولانا محمد کلیم صدیقی

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ ایک بار کسی سفر کے سلسلہ میں رائے بریلی اسٹیشن سے گذر رہے تھے، جب رائے بریلی اسٹیشن پر پہنچے جہاں سے تکیہ حضرت شاہ علم اللہ پانچ چھ کلو میٹر ہے، تو اپنے رفقاء سے فرمایا: اہل تکیہ کے انوارات یہاں تک صاف محسوس ہو رہے ہیں، حکیم الامت حضرت تھانویؒ یہ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ بے بصیرت بھی یہ بات صاف بتا دے گا کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کہاں کہاں سے گذرے ہیں، سید صاحب کا جہاں سے گذر ہوا، سنت کی اتباع اور بدعت سے نفرت اور توحید خالص کا ذوق راسخ کھلی آنکھوں محسوس ہوتا ہے، اور سنت کے انوار ان کی رہ گذر سے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں، جب راستوں اور رہ گذر کا یہ حال ہے تو پھر حضرت سید احمد شہیدؒ کے اس وطن اور مولد کے انوار و برکات اور وہاں کے خوش قسمت باسیوں کا کیا حال ہوگا، جہاں خود امیر المومنین سید احمد شہیدؒ نے پرورش پائی، اور جہاں سید صاحب کے آباء واجداد اور ان کے اخلاف و احفاد میں جانے کتنے آفتاب ماہتاب پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنی نورانی زندگی گذاری اور صدیوں وہاں رہ کر توحید وسنت، زہد و اخلاص اور ایثار و قربانی کے لئے ایک خلق خدا کی تربیت کی، جہاں پر مولانا عبدالحی بڑھانویؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ مولانا کرامت علی جون پوری، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا سید جعفر علی نقویؒ، اور شیخ ولی محمد پھلتی جیسے لوگوں نے شہادت کا شوق، اور اپنے اللہ سے عہد پیمان و وفا کا حق ادا کرنا سیکھا اور خود بانی تکیہ امام العارفین حضرت شاہ علم اللہ اور ان کے سلسلۃ الذہب کے نورانی اخلاف کا مسلسل وطن و مولد اور صدیوں تک ان اولیاء کا مسکن اور پرورش گاہ ہونے کا شرف حاصل رہا ہو

تکیہ میں اس حقیر کی پہلی حاضری ۱۹۷۷ء میں ہوئی، اور الحمد للہ پہلے دن سے اہل تکیہ کی غلامی کے شرف کی وجہ سے نہ جانے کتنا زمانہ اس مبارک اور نورانی بستی کی فضاؤں میں گذارنے کی سعادت اور شرف رب کریم نے اس سیہ کار کو عطا فرمایا، اور اور ایک طالب اور محتاج کی حیثیت سے ہر چیز کو گہرائی سے دیکھنے کا موقع ملا، یہ بات بلا مبالغہ اور کسی عقیدت کے غلو کے بغیر اظہار حقیقت کے طور پر عرض ہے کہ اس حقیر نے کبھی تکیہ شاہ علم اللہؒ میں، کبھی وہاں کے کتوں کو بھی دوسری جگہ کے کتوں کی طرح لڑتے اور ذرا سی ہڈی بوٹی پر غراتے نہیں دیکھا، چند گھروں پر مشتمل یہ چھوٹا سا بابرکت اور نورانی قریہ، جہاں مجددی سلسلہ کے عالم ربانی سید آدم بنوریؒ کے خلیفہ اجل حضرت شاہ علم اللہ کی اولاد واحفاد کے چند گھرانے آباد رہے ہیں، اس کی مٹی، پانی اور ذرات میں ایسی برکت، نورانیت خصوصا توحید وسنت کے انوارات رچ بس گئے ہیں، کہ یہ یہاں پیدا ہونے والا بچہ اپنی فطری اور خداداد صلاحیتوں اور صفات کی وجہ سے زہد واستغناء، تواضع اور انکساری، ایثار و اخلاص کے ایسے کمال اور مقام پر پیدا ہوتا ہے، جو دوسرے لوگوں کو عرصہ دراز کے مجاہدہ اور معلمین ومربیین کی تربیت میں رہ کر نصیب نہیں ہوتا، اس بابرکت نورانی بستی کے ممتاز فرد فرید، اور حسنی خانوادہ علمی اللہی کے قابل فخر مدبر و مفکر، صاحب قلم عالم ربانی تھے ہمارے حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحب، جنہیں

قضا وقدر کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی مدظلہم اور دامت برکاتہم لکھنے کے بجائے، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ، ونور اللہ مرقدہ لکھنا پڑ رہا ہے، جو ابھی ۱۶/ جنوری ۲۰۱۹ء کی صبح، اپنے محبوب رب کے مؤذن کی اذان، حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی صدائے جاں فزا سن کر جان، جان آفریں کے سپرد کر کے، اپنے محبوب رب کی جوار رحمت میں، اپنی عمر بھر کی نیکیوں کا المضاعف اجر وثواب وصول کرنے کے لئے، لاکھوں سوگواروں کو روتا بلکتا چھوڑ کر چلے گئے۔

حضرت مولانا واضح رشیدؒ نے جس خانوادہ میں ۱۹۳۵ء میں آنکھیں کھولیں، وہاں کے چپہ چپہ پر امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کی مبارک جماعت اور ان کی جماعت کے مجاہدین اور سرفروشوں کے اثرات اور ان کی خیر القرون کی یاد دلانے والی ایثار وقربانی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے مقصد حقیقی کے لئے تن من دھن لٹا دینے کی، دلوں کو گرما دینے والی داستانیں بچہ بچہ کی زبان پر جاری تھیں، اور شوق شہادت کی داستانیں اس گھرانہ کی پسندیدہ کہانیاں تھیں۔ مولانا محترم کی یہ خوش قسمتی تھی کہ انھیں گھر میں سیدی وسندی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ کی والدہ ماجدہ، رشک رابعہ ومیمونہ بی بی خیر النساء بہتر اور ہمشیرہ محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ جیسی قابل رشک مربی خواتین کی تربیت میں رہنے کا موقع ملا، جو حضرت مولانا واضح صاحب کی نانی اور خالہ ہوتی تھیں، اور خود مولانا کی والدہ ماجدہ حضرت امۃ العزیز بھی ایک ولیہ خاتون تھیں، ندوہ میں دوران تعلیم علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا عمران خان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا محبوب الرحمٰن ازہری جیسے عالم اسلام کے ممتاز ترین اساتذہ فن، علمائے ربانیین، صاحب علم ومصنفین ومفکرین، عالمی شہرت یافتہ ممتاز علماء سے پڑھنے اور استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہوا، مولانا کو بچپن سے ہی ملک کے مشاہیر علماء اور اکابرین جیسے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، جو مولانا کے خانوادہ کی خواتین اور مردوں کے مرشد تھے، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ، اور شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ، شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ، حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی جیسے وقت کے اکابرین سے ملاقاتیں اور ان سے صحبت اور دینی روحانی استفادہ کا موقع اللہ تعالی نے عطا کیا۔ مندرجہ بالا ان سعادتوں اور شرفوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر شیخ العرب والعجم مفکر اسلام سیدی وسندی حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی نور اللہ مرقدہ کی گود میں پلنے سے لے کر پوری زندگی ان سے علمی استفادہ اور سفر وحضر میں ان کے علوم ومعارف سے ایک طالب صادق اور آخری درجہ میں عقیدت مند مسترشد کی طرح کمال استفادہ کا موقع ملا۔

ہر طرح سے کندن بنانے والے اس عرفانی، علمی، ادبی، فکری اور روحانی ماحول میں مولانا محترم نے اپنی خلقی وفطری شرافت کے ساتھ جو زندگی گذاری، اس نے ان کی شخصیت کو ایسا قابل رشک اور مثالی بنا دیا تھا کہ دینی، علمی، ادبی اور فکری ذوق رکھنے والا کوئی شخص مولانا کا گرویدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

یہ حقیر جو خود ذاتی طور پر ایک دیہاتی اور گنوار اور گھسیارے سے آگے کچھ نہیں بن سکا، مگر ہمیشہ اچھے لوگوں سے ملنے اور ان کی اچھائی اور خوبیوں سے مزا حاصل کرنے کا شوق رب کریم نے والدین کی دعاؤں اور میرے حضرت والا کی نعلین کے صدقہ میں عطا فرمایا ہے، یہ حقیر اکثر مولانا واضح رشید صاحب سے ملتا اور ان کی صحبت میں کچھ دیر گذارتا تو اکثر یہ کوشش کرتا اور تلاش کرتا کہ کوئی معاصر اہل علم یا ہم پیشہ مجھے ایسا ملے جو حضرت مولانا واضح رشید صاحب کی شخصیت، ان کے علم وفکر سے واقف ہو، یا ان کے مضامین یا دروس کو پڑھنے اور سننے والا ہو، ایسا ملے جو مولانا کے کردار کی عظمت اور علم وفکر کا ناقد تو دور کی بات ہے، کم قائل ہو، اس حقیر کو دور دور تک ایسا کوئی آدمی آج تک نہیں ملا۔

مولانا مرحوم کی تصنیفات، الرائد، البعث الاسلامی، اور

عالم اسلام کے موقر دینی عربی رسائل و جرائد میں شائع مضامین مولانا کی حیات میں ان کی ذات اور مضامین وتصنیفات پر کئے گئے عالم اسلام کے چوٹی کے مصنفین و اصحاب قلم لوگوں کے تبصروں، اور مولانا کے وصال پر عالم اسلام کے مشہور ترین علماء ادباء اور مفکرین کے تعزیتی پیغامات اور مضامین پڑھ کر یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ عالم اسلام کے اس زمانہ کے نامور دینی خصوصا عربی زبان کے چوٹی کے صاحب قلم مصنفین، اور ادباء کی مختصر ترین فہرست مولانا واضح رشید صاحب کے نام کے بغیر ناقص ہی کہلائے گی، عالم اسلام کے اس معیاری اور چوٹی کے علماء میں شمار ہونے کے باوجود شاید پوری زندگی میں، کوئی ایک شاگرد خاندان کا کوئی چھوٹا، یا تکیہ کی ڈیوڑھی کے کسی جاروب کش کو بھی مولانا کی زندگی میں کسی بڑائی یا اپنے کو کچھ سمجھنے کا احساس بھی نہیں ہوا ہوگا۔ سادہ سے کپڑوں میں ملبوس تکیہ گاؤں کی مسجد میں، اینٹوں کے فرش پر بغیر کچھ چٹائی وغیرہ بچھائے دیکھنے میں عامی سے ایک آدمی، قرآن مجید لئے مسجد کے فرش کے کسی کنارہ پر تلاوت میں مشغول، اکثر لوگوں کو خواب میں بھی ایسی تواضع اور سادگی کے ساتھ مولانا دکھائی دیتے تھے، اس سادگی کے باوجود پورے عالم کے لیل ونہار پر گہری نظر، اور اسلام کے نام پر، دینی دعوت کے نام پر، کبھی ترقی کے نام پر، اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں پر تیز نگاہ، اور اس پر لومۃ لائم کے بغیر خیر خواہانہ اور داعیانہ نقد وتبصرہ، ان کی پہچان تھی۔ اقبال کی زبان میں:

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اور فکر ودردمندی اور ناصحانہ تڑپ کا دائرہ ایسا وسیع کہ ندوہ کے ایک طالب علم اور اپنے شاگرد ہی نہیں، امت کے ایک دیہاتی سے لے کر پورے عالم کے بڑے مفکرین کی تحریروں، بادشاہوں، امیروں، صدر نشینوں، اور ان کی در پردہ کاوشوں اور ان کے طرز حکومت اور تنظیموں اور تحریکوں کے بال و پر اور نوک پلک پر گہری اور باریک بین نگاہ، جیسے پورے عالم کے نظام پر اس مرد مومن کی نگاہ ہے، اور ان سب کو باخبر اور ہوشیار کرنے کی ذمہ داری عالم بالا سے اس مرد قلندر اور صاحب قلم کے سپرد کی گئی ہے، مولانا نے اپنے خال محترم مفکر اسلام حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کی گود میں پل کر زبان وادب کی نزاکتوں اور الفاظ کے درجہ حرارت کے ذوق میں کمال پیدا کیا تھا، ایسے ادبی ذوق کے کمال کے بعد زندگی میں ایسی سادگی، انکساری اور تواضع بس مولانا محترم کا خصوصی امتیاز تھا، کمالات کو پرکھنے اور اچھائیوں کی قدردانی کا ایسا ذوق تھا، کہ کسی تعلق رکھنے والے، بلکہ امت کے کسی فرد کی معمولی سے معمولی خوبی کا کشادہ دلی سے نہ صرف اعتراف، بلکہ فراخ دلی کے ساتھ اس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، مگر اپنے کسی فضل وکمال کا کسی شاگرد یا عقیدت مند سے اظہار بھی گراں ہوتا تھا، اتنی ذمہ داریوں اور انتظامی، تعلیمی، تصنیفی مصروفیات کے باوجود سیدی و سندی مفکر اسلام حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ جیسے عالمی سربراہ اور سیدی وسندی حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم سے ملنے آنے والے خدام اور منتسبین اور مہمانوں میں ادنیٰ سے ادنی مہمان وخادم کے اکرام کا وہ جس طرح خیال فرماتے تھے اور ان کو ان بزرگوں سے استفادہ کے نظم کی کوشش فرماتے تھے، بس وہ مولانا کا ہی کمال تھا، یہ حقیر مغربی یوپی کے اہل ادب کے یہاں مشدّ آباد کہلائے جانے والے ضلع مظفر نگر کا ایک دیہاتی، جس کو ستمبر ۱۹۷۷ء میں، رحمت ایزدی نے رحمت کا ایک جھونکا بھیج کر تکیہ شاہ علم اللہ کی اس مبارک بستی کے جاروب کشوں میں شامل ہونے کا شرف بخشا، اور سیدی وسندی حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ کے قدموں میں لے جا کر ڈال دیا، اسے پہلے روز سے حضرت والا کے دست راست ان تینوں بھائیوں، حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ، اور سیدی حضرت مولانا محمد رابع حسنی دامت برکاتہم (اللہ تعالی حضرت مولانا کا سایہ عاطفت صحت وقوت کے ساتھ امت کے سروں پر تادیر قائم و دائم فرمائے) اور حضرت مولانا واضح صاحبؒ سے ملاقات اور ان کی عنایات واحسانات سے

واسطہ اور سابقہ پڑا، خصوصا سیدی حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا واضح صاحب، دونوں بھائیوں کو ہمیشہ ایک ساتھ سفر وحضر میں، عالم اسلام کے دو بھائیوں میں مثالی یگانگت اور محبت کے ساتھ دیکھا، سچی بات یہ ہے کہ اس خانوادہ کے کتوں کے احسان کا شکر تو کیا، ذکر کرنے کا یہ حقیر اہل نہیں، اس خانوادہ کے فرد فرید کہلانے والے بزرگوں کا کن الفاظ میں تذکرہ کرسکتا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے احسانات وعنایات کے تذکرہ کے لئے ایک دفتر چاہئے، کہ کیسے وہ خوردنوازی اور اپنی ڈیوڑھی پر آنے والے ہم جیسے محتاجوں اور فقیروں کا اکرام اور دل جوئی فرماتے تھے، سیدی وسندی حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کے وصال سے پہلے شعبان میں لکھنؤ سے تکیہ تشریف لے جانے سے پہلے آخری شب میں یہ حقیر بھی ندوہ کے مہمان خانہ میں خدمت میں حاضر تھا، عشاء کی مجلس میں کوئی مہمان اہل تعلق حضرت والا سے ملاقات کے لئے آئے تو وہ گلاب جامن مٹھائی لے کر آئے، حضرت مولانا نے اپنے خادم بھائی عبدالمعید سے حاضرین کو تقسیم کرنے کا حکم فرمایا، عبدالمعید صاحب نے حضرت مولانا سے بھی ایک گلاب جامن نوش فرمانے کا اصرار کیا اور حضرت والا کو گلاب جامن پیش کئے، حضرت والا نے خلاف معمول شاید لانے والے صاحب کی دل جوئی کے لئے گلاب جامن قبول فرمالئے، یہ حقیر مجلس چونکہ ختم ہوگئی تھی، برابر کے دائیں کمرہ میں چلا گیا تھا، حضرت مولانا نے دانت سے ذرا سا اس گلاب جامن کو کاٹا اور عبد المعید صاحب سے فرمایا، کلیم میاں کو بلاؤ، کلیم میاں کو بلاؤ، وہ جھپٹ کر برابر والے کمرہ میں آئے اور بتایا کہ حضرت والا یاد فرمارہے ہیں، اور وہ دانتوں سے کاٹ کر بچی ہوئی گلاب جامن خلاف معمول اس سیہ کار غلام کو عنایت فرمائی، اگلے ماہ حضرت والا تکیہ تشریف لے گئے، تو جمعہ کو حضرت والا کا وصال ہوگیا، یہ حقیر عید کے اگلے روز تکیہ حاضر ہوا تو حضرت مولانا واضح صاحب بڑے تپاک سے ملے، اور دوروز کے دوران قیام اس واقعہ کا بار بار ذکر فرماتے رہے، اس کے بعد بھی شاید دسیوں بار اس واقعہ کا ذکر فرما کر بڑی محبت سے فرماتے تھے کہ ہمیں جتنا آپ پر رشک آیا کسی پر نہیں آیا، ماموں جی کبھی ایسا نہیں کرتے تھے، دانتوں سے کاٹ کر گلاب جامن دیر تک ہاتھ میں لئے رہے اور بڑی محبت سے فرماتے رہے، کلیم میاں کو بلاؤ، کلیم میاں کو بلاؤ، محبت سے کلیم میاں کہنے پر ہمیں بہت رشک آیا۔

ارمغان میں ''دعوت دین، کچھ غلط فہمیاں کچھ حقائق'' کے عنوان سے قسط وار کچھ اوراق اس حقیر نے کالے کئے تھے، قارئین اور رفقاء کے اصرار پر اس کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا رفیق محترم مولانا وصی سلیمان ایڈیٹر ارمغان نے پروگرام بنایا تو مولانا وصی صاحب کی خواہش پر یہ تحریر حضرت مولانا واضح صاحب کی خدمت میں کچھ دعائیہ کلمات تحریر فرمانے کے لئے پیش کی گئی، مولاناؒ نے بہت قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا، دہلی میں حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی صاحبؒ کے مکان پر ملاقات ہوئی تو دیر تک اس مضمون کی تحسین فرماتے رہے، ندوہ میں اس حقیر کی کمزوریوں کی وجہ سے کچھ ذرا حالات تھے، کا اشاروں میں ذکر کیا کہ جیسا حق تھا حکمۃً ویسا نہیں لکھ سکے، مگر اس کتاب کو ہم نے تین بار پڑھا، اور ہم یہ سمجھے کہ حقائق میدان عمل میں ہی کھلتے ہیں، بعض ایسی چیزیں جن پر مصنفین نے کتابیں لکھی ہیں، اور وہ حقائق سمجھی جاتی ہیں، آپ نے ان کو غلط فہمی ثابت کیا ہے، اور وہ واقعی بالکل دل کو لگتی ہیں۔

ابھی دسمبر کے اوائل میں جنوبی افریقہ کے ایک فعال عالم دین، جو وہاں ریڈیو اسلام کے بھی ذمہ دار ہیں مولانا حیدر علی بوبات کے ساتھ تکیہ حاضری ہوئی، تو مولانا سے سیدی وسندی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب کے ساتھ خاصی تفصیلی نشست رہی، اخبارات اور ٹی وی میں مدارس کے خلاف کچھ لوگوں کے تبصروں کا دور دورہ تھا، اس حقیر نے عرض کیا کہ جامعۃ الفلاح نے

آنجہانی ارجن سنگھ (جو کانگریس سرکار میں ایچ آر ڈی منسٹر تھے) کی صدارت میں ایک بڑا پروگرام انصاری آڈیٹوریم میں ''مدارس، مشکلات، مسائل اور حل'' کے عنوان سے کیا تھا، جس میں ملک کے بڑے آفیسر اور تنظیموں کے لوگ تھے، اس حقیر نے ''ملک کی ترقی میں مدارس کا رول'' کے عنوان سے کچھ اعداد و شمار سرکاری اداروں سے حاصل کر کے جمع کر کے پیش کئے تھے، جنگ آزادی میں مدارس کا مرکزی رول، ملک کے پہلے وزیر تعلیم مولانا آزاد کی ملک کے تعلیمی ڈھانچہ خصوصا یو جی سی کے قیام میں اہمیت، عصری تعلیم گاہوں اور یونیورسٹیوں کے قیام میں اہل مدارس کی خدمات، ملک کے شہریوں کو روزگار مہیا کرانے، ملک کے زر مبادلہ، اور ملک کی عدالتوں اور حکومت پر جرائم کی روک تھام میں بجٹ کا بوجھ کم کرنے، بیسک ایجوکیشن میں مدارس کا ناقابل فراموش حصہ وغیرہ کے اعداد و شمار کا اس حقیر نے ذکر کیا تو حضرت مولانا واضح صاحب نے حد درجہ ہمت افزائی فرمائی اور بار بار فرماتے رہے، یہ باتیں تو انگریزی اور ہندی میں ترجمہ کر کے اخبارات اور نیٹ پر ڈالنی چاہئے، اس حقیر نے بتایا کہ یہ مضمون انگریزی اور ہندی میں شائع ہو چکا ہے، اور اس ناکارہ کے اس موضوع پر مضامین کا مجموعہ ''دینی مدارس، غلط فہمیاں اور حقائق'' کے نام سے چھپ چکا ہے، تو بار بار فرماتے رہے، وہ کتاب تو مجھے ضرور بھیجئے، مجھے ضرور بھیجئے، اس کے بعد بھی کسی صاحب سے تقاضا کرایا، افسوس ہے کہ کتاب حضرت تک پہنچنے سے پہلے حضرت ہمیں چھوڑ کر اپنے رب کی آغوش میں جا پہنچے۔

امت کا ایک ایسا دردمند داعی اور آنے والے ہر پل کے نوک و پلک سے باخبر کرنے والا امت کا ایسا مدبر، پاکیزہ کردار کا حامل، خلق عظیم پر فائز، نبی علیہ السلام کا ایک حقیقی وارث، عربی ادب کا مایہ ناز ادیب، زہد و استغناء، سادگی و شرافت، تواضع و انکساری کا بے مثال پیکر، اسلاف کی یاد تازہ کر دینے والا وہ مرد میدان ہزاروں علماء، صاحب قلم اور مصنفین کا استاذ و مربی، ہم جیسے دیہاتیوں اور احساس کمتری کے مارے گنواروں کا سہارا، اچانک قرآن مجید کی تلاوت اور فجر کی اذان سنتے، اور لا الہ الا اللہ کے کلمہ کی آخری گواہی دیتے ہوئے، کریم رب سے اپنی زندگی بھر کی گئی نیکیوں کا اجر و ثواب لینے کے لئے، اچانک ملت اسلامیہ ہندیہ کے قافلہ سالار سیدی وسندی حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی جیسے مثالی بھائی کی رفاقت میں ایک لمبا سفر طے کر کے، لاکھوں لاکھ سوگواروں کو بلکتا روتا چھوڑ کر رخصت ہوا۔ فون اور واٹس ایپ پر پیغامات اور اطلاع ملی، تو دل نہیں چاہتا تھا کہ اس خبر کے سچ ہونے کا یقین کریں اور دل بار بار یہ کہتا کاش یہ خبر سچی نہ ہو۔ ظہر کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء کے بڑے میدان میں انسانوں کے ایک ہجوم نے نماز جنازہ ادا کی، اس کے علاوہ نہ جانے کہاں کہاں غائبانہ نمازیں ادا کی گئیں، اس کے بعد جنازہ کو آبائی وطن اور آخری آرام گاہ تکیہ شاہ علم اللہ بھیجا گیا، جہاں کے قبرستان میں عالم اسلام کے آفتاب ماہتاب سپرد خاک ہیں۔

خود اس خیال سے کہ حضرت مولانا واضح صاحب کے بغیر اب ہم کیسے تکیہ اور ندوہ حاضر ہوا کریں گے دل بیٹھا جا رہا تھا، سیدی وسندی حضرت مولانا محمد رابع صاحب کا کیا حال ہوگا، اور حضرت سے ہم کس دل سے ایسے غم کی حالت میں مل سکیں گے، حضرت والا کی زندگی بھر کے ہر سفر و حضر میں ساتھ رہنے والے بھائی کی رحلت پر کیا حال ہو رہا ہوگا، دل پھٹنے کو ہو گیا۔ مگر واہ رے حکیم و خبیر رحمٰن و رحیم رب کریم کی رحمت، کہ وہ زخم بھی دیتے ہیں اور مرہم بھی رکھتے ہیں، غم بھی دیتے ہیں، دلوں کو شکستہ کر کے اپنا قرب اور اپنے سامنے گریہ وزاری اور مناجات کا مزا بھی عطا کرتے ہیں، اور شکستہ دلوں کو زندگی کا سہارا، اور زخمی دلوں پر کیسی ماں تا سے اور رحمت سے مرہم رکھتے ہیں، مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تھا، اپنے غم کا اظہار، اپنے درد کا شکوہ، الصلوٰۃ معراج المومنین میں ہی ایمان والے صرف اس ذات سے کر سکتے ہیں جو ہر درد کا مداوا اور ہر پریشان کی مشکل کشائی کرنے والی اکیلی ذات

ہے، ابھی غم سے پھٹ جانے والے کلیجہ سے فریاد اور مناجات کرنے کا ارادہ کیا تھا، امام صاحب کی زبان سے ایاک نعبد وایاک نستعین سن کر کلیجہ اپنے رب کے حضور نکال دینے کو تیار تھا کہ بارگاہ ایزدی سے سوگواروں کی تسلی اور غم زدوں اور زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کے لئے جیسے امام صاحب کے قلب پر آیات قرآنی ابھی نازل فرمادی گئی ہوں، امام صاحب نے سورہ فاطر کی آیات سورہ فاتحہ کے بعد پڑھنا شروع کیں۔ جو مغرب کی نماز میں ہندوستان میں خصوصا خلاف معمول ہے۔

مولانا مرحوم عبادت وریاضت پر جس قدر استقامت کے لئے مشہور تھے، وہ سب جانتے ہیں، مگر ان کی زندگی میں نماز با جماعت، نوافل اور قرآن مجید کی تلاوت، امتیازی طور پر سب سے مقدم عبادت تھی، امام صاحب نے سورہ فاطر کی آیات نماز میں عجیب خوش الحانی اور درد سے تلاوت کیں:

﴿ان الذین یتلون کتاب اللہ واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقناھم سرا و علانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور، لیوفیھم اجورھم ویزیدھم من فضلہ انہ غفور شکور، والذی اوحینا الیک من الکتاب ھو الحق مصدقا لما بین یدیہ ان اللہ بعبادہ لخبیر بصیر، ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا، فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد، ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ، ذلک ھو الفضل الکبیر، جنات عدن یدخلونھا یحلون فیھا من اساور من ذھب ولؤلؤا ولباسھم فیھا حریر، وقالوا الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور، الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ، لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب﴾.

(سورۃ فاطر: ۲۹۔۳۵)

ترجمہ: بے شک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے پوشیدہ وعلانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں، وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں، جو کبھی ماند نہ پڑے گی، تاکہ ان کو ان کے اعمال کے صلے (اللہ) پورے دے، اور اپنے فضل سے ان میں بڑھا بھی دے، بے شک وہ بڑا مغفرت اور قدرت والا ہے، اور جو کتاب ہم نے آپ کے پاس بطور وحی بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے، پھر ہم نے یہ کتاب ان لوگوں کے ہاتھ میں بھی پہنچائی جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، پھر ان میں سے بعض تو اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے متوسط ہیں، اور بعض ان میں سے اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے جاتے ہیں، یہ بہت ہی بڑا فضل ہے، وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے، ان میں انھیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی، اور یہ لوگ کہیں کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا، بیشک ہمارا پروردگار بڑا مغفرت والا بڑا قدردان ہے، جس نے اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا، جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہمیں تھکن محسوس ہوگی۔

اور دوسری رکعت میں سورہ زمر کی آخری آیات:

﴿وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا، حتیٰ اذا جآؤوھا وفتحت ابوابھا، وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین، وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ، واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء، فنعم اجر العٰملین، وتری الملائکۃ حافّین من حول العرش، یسبحون بحمد ربھم

وقُضی بینھم بالحق وقیل الحمد للہ رب العٰلمین﴾ (سورہ زمر:۷۳۔۷۵)

ترجمہ:اور جو لوگ اہل تقویٰ تھے وہ جنت کی طرف گروہ گروہ روانہ کئے جائیں گے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے سلام علیکم، مزہ میں رہو، سو اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ، اور وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا مالک کر دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں، تو عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا انعام ہے، اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ حلقہ باندھے ہوں گے عرش کے گرد اگرد، اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد کرتے ہوئے، بندوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا، اور آواز آئے گی کہ ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم ہی کے لئے ہیں۔

اس غم کے موقع پر جب جنازہ میں اکثر شرکاء علماء اور طلباء تھے شاید سب کو ایسا لگا کہ کریم رب کا عرش اپنی رحمت کے ساتھ اس شہید محبت کا استقبال کرنے اور اس مثالی مرد مومن کی بلائیں لینے تکیہ شاہ علم اللہ کے اس جنازہ پر نزول فرما رہا ہو، حضرت مولانا واضح صاحب کی زندگی کے پل پل کو سامنے رکھنے والے نماز میں ہر شریک کو شاید ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا قرآن مجید کی یہ آیات اسی وقت سوگواروں کی تسلی کے لئے اور شکستہ دلوں کے زخم پر مرہم رکھنے کے لئے ابھی نازل ہو رہی ہیں، اور مغرب کی نماز میں پڑھی جانے والی ان آیات کا لفظ لفظ مولانا مرحوم پر صادق آ رہا تھا، اندر سے دل بے ساختہ کہہ رہا تھا کہ ملت کے اے محسن اور مثالی مرد مومن ہمارے کرم فرما! آپ کی جدائی کے ہزار غم ہمیں منظور ہیں جب آپ کے رب کی طرف سے لیوفیھم اجورھم و یزیدھم من فضلہ کا فیصلہ آپ کے لئے ہو گیا ہے، جب اس غیور شکور کی طرف سے فضل کبیر کے طور پر جنات عدن یدخلونھا ، آپ کو عطا کر دی گئی، جس میں لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب کا پاکیزہ مقام آپ کو عطا ہو گیا، جب فرشتوں کی طرف سے آپ کو سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین کے نغمے سنائے جا رہے ہیں، اور آپ اپنے رب کے قرب و رضا اور جوار رحمت میں جا کر خود مطمئن و شاد ہو کر واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء، کے اظہار میں مسرور ہو کر فنعم اجر العٰملین سن رہے ہیں۔ اور اللہ کی پاکیزہ نورانی مخلوق فرشتوں کی طرف سے قطار در قطار وتری الملائکۃ حافّین من حول العرش استقبال اور شاہی سلامی آپ کو دی جا رہی ہے، تو ہم آپ کے اس اعزاز، خوشی اور انعامات پر اپنے لاکھ غم اور دل شکستگی کے باوجود راضی ہیں ہم اپنے رب کے قضا و قدر کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کر کے اقرار کرتے ہیں: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تاکہ ہم کو بھی آپ کے عقیدت مند ہونے کے صدقہ میں اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمہ کا مزدہ جاں فزا مل سکے۔

حضرت مولاناؒ ارمغان کے بڑے قدر دان سرپرست تھے بڑے اہتمام کے ساتھ ارمغان کو ملاحظہ فرماتے، ملاقات ہونے پر اس کے مضامین پر تبصرہ بھی فرماتے تھے، مولانا مرحوم کا سانحہ وفات پوری تحریک ارمغان کی ایک سرپرست مشفق و محسن سے محرومی ہے، قارئین ارمغان اور تحریک ارمغان کے ہر دعوتی سپاہی اور رفیق پر حق ہے کہ مولانا علیہ الرحمہ کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب، اور دعائے بلندی درجات کرے۔

ہم کوتاہ بینوں کو محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایسی عبقری، علمی، ادبی اور فکری شخصیت اور ملت کے رہنما کے دنیا سے جانے کے بعد جو خلا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے، مگر اللہ کی ذات عالی ہے، جو رات سے دن اور مردہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے، فعال لما یرید علی کل شئی قدیر ہے، اس کے لئے کچھ مشکل نہیں، رب کریم مولانا کے اخلاف اور شاگردوں میں سے کسی کو ملت کے لئے ان کا نعم البدل بنا کر کھڑا فرما دیں۔

بر کریماں کار ہا دشوار نیست

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

اپنے ماموں مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی اور معاصرین وتلامذہ کی نظر میں

مطیع الرحمٰن عوف ندوی

مولانا سید محمد واضح رشید حسنیؒ ایک ایسے خانوادہ کے گل سرسبد تھے، دین اسلام کے غلبہ اور فکر اسلامی کے احیاء میں جس کی قربانیاں اظہر من الشمس ہیں، اس خانوادہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ جیسا مرد مجاہد اور اسلامی نظام کو برپا کرنے والا ملے گا، تو شاہ علم اللہؒ جیسا معرفت وسلوک اور احسان وتصوف کی منزلوں کو طے کرتا ہوا نظر آئے گا، سید ضیاء النبیؒ جیسا مربی ومعلم ملے گا، تو فخر الدین خیالیؒ جیسا شاعر وادیب، مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنیؒ جیسا مؤرخ اسلام اور ادیب شہیر ملے گا تو اسلامی فکر کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ملت کے لئے تڑپتا بلکتا سید ابوالحسن علیؒ ملے گا، اس خانوادہ کے ہر ہر فرد نے دین اسلام کی نشر واشاعت اور اعلاء کلمہ اللہ کے لئے اپنی زندگی کی سانسوں کو وقف کر دیا تھا، اس میں ایسے ایسے جواہر پارے اور لعل وگہر نظر آئیں گے کہ تاریخ کے صفحات اس کی ان عبقری شخصیات کے تذکرہ سے بھرے نظر آتے ہیں۔

مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ بھی اسی خاندان کے ایک فرد تھے، ان کی تعلیم وتربیت میں ماہرین فن کی عرق ریزی شامل رہی اور علمی ودینی ماحول میں ان کی پرورش وپرداخت ہوئی، انہیں اللہ تعالیٰ نے عربی زبان وادب کا صاف ستھرا ذوق عطا فرمایا تھا، ساتھ ہی وہ مغربی افکار ونظامہائے باطلہ کے رمز شناس تھے، بے پناہ صلاحیتوں کے مالک مولانا سید واضح رشید حسنیؒ اب ہمارے درمیان نہیں رہے، لیکن ان کی تصنیفات اور تلامذہ ان کو تا قیامت جدید وجاوداں رکھیں گے اور فکر اسلامی کے احیاء کے لئے ان کی کاوشیں کبھی فراموش نہ کی جاسکیں گی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی فیضان نظر سے انھوں نے کسب فیض کیا تھا، ان کی تربیت میں وقت گزارا تھا، اور ان کے مشن کو بخوبی سمجھا تھا، **مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ**، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مجھے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ جامعہ ندوۃ العلماء کے دو ماہر اساتذہ، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور استاذ محمد واضح رشید ندوی نے درسی کتابوں کی تصنیف اور تاریخ ادب عربی کے سلسلہ کی تالیف کا بیڑا اٹھایا ہے، اور استاذ محمد واضح رشید ندوی نے تاریخ ادب عربی کے جاھلی دور کو موضوع بنایا اور مولانا محمد رابع حسنی ندوی نے تاریخ ادب عربی کے اسلامی دور کو مرتب کرنے کی ذمہ داری لی۔ نیز عربی زبان وادب کے میدان میں برصغیر کی علمی وادبی خدمات اور بعض میدانوں میں اس کی حصہ داری کو بھی مرتب کیا، اور اس طرح یہ زریں سلسلہ اللہ کی مشیت سے تاریخی وجغرافیائی طور پر پایہ تکمیل کو پہنچا، اس کام میں ان حضرات کو ان کی فارسی دانی، انگریزی زبان وادب سے واقفیت خاص طور سے برصغیر کی علمی ودینی زبان اردو سے بڑی مدد ملی، نیز ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ علوم وآداب کے مصادر ومراجع کی مہارت عطا کی ہے، اور عصری نظریات پر ان کی گہری نظر ہے، اس کام میں اسلامی فکر پر بالغ نظری جو مغرب کی تقدیس سے کوسوں دور ہے اور فکر اسلامی پر مکمل اعتماد بھی ان کا معاون رہا۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء تاریخ الثقافۃ الاسلامیہ کے مقدمہ میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں ''استاذ محمد واضح رشید حسنی ندوی ان اصحاب فضل میں سے ہیں جنہیں جدید ثقافت اور اسلامی ثقافت دونوں پر یکساں قدرت حاصل کی ہے، وہ اس عظیم کام کو انجام دینے کے صحیح معنوں میں مستحق تھے، انھوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں

تعلیم حاصل کی اور ادبی و دینی تعلیم کی تکمیل کی، پھر غیر اسلامی ثقافت کو بھی پڑھا اور بیس سال سے زائد عرصہ تک علمی و ادبی امور میں مشغول رہے، چنانچہ اس میدان میں علمی معرفت حاصل ہوئی انھوں نے اس موضوع پر کئی کتابیں تحریر کیں۔

لحات من السیرۃ النبویہ کے مقدمہ میں **مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی** تحریر فرماتے ہیں: ''مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ اس عظیم کام کو سرانجام دینے میں آزاد ہیں، اس لئے کہ انہیں اس موضوع پر دسترس حاصل ہے، اور عظیم شخصیات کے احوال زندگی اور ان کے کارناموں سے انہیں بڑی اچھی واقفیت ہے، ساتھ ہی وہ اپنے دل میں پاکیزہ دینی جذبہ اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ عشق و محبت رکھتے ہیں، اور انسانی شخصیت کے امتیازات و خصوصیات کے فہم کی وجہ سے وہ حقدار ہیں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ و نفیس شخصیت میں انسانی خصائص کا ادراک کرسکیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعض گوشوں پر یہ تحریر ایک بروقت اقدام ہے، اس لئے کہ مغرب میں تعلیم یافتہ اسلام دشمن عناصر اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی غلط تصویر کشی کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء ''اعلام ادب العربی فی العصر الحدیث'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا شمار معروف ادباء اور اسلامی مصنفین میں ہوتا ہے، اور جدید ادب اور قدیم عربی ادب کے مراجع پر ان کی بیش بہا تصنیفات منظر عام پر آچکی ہیں، ان کا شمار ممتاز ادباء میں ہوتا ہے، اور وہ ممتاز علمی و ادبی مقام کے حامل ہیں، اور ندوۃ العلماء میں ایک عرصہ تک وہ عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابہا رہے ہیں، اس وقت معتمد تعلیم اور رابطہ ادب اسلامی عالمی کے عرب ممالک اور برصغیر کے سکریٹری ہیں''۔

مولانا نذر الحفیظ ازہری ندوی کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابہا مصادر الادب العربی پر اپنے وقیع مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں:

''اس کتاب کے مصنف کوئی اس میدان کے نو وارد نہیں بلکہ علم و ادب کے ماحول میں وہ پروان چڑھے اور اپنے اسلاف سے فن تاریخ کا ذوق پایا، مصنف نے اپنے مراحلِ تعلیم کو اپنے ماموں امام ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تربیت میں مکمل کیا اور تالیف و تحقیق کے مرتبہ تک فائز ہوئے، چنانچہ تاریخ ادب عربی تصنیف کرنے کے وہ پورے طور پر مستحق ہیں''۔

ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دھلی الشیخ ابوالحسن الندوی قائداً حکیماً کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"فهو استاد قدير، وأديب ألمعي، وصحافي بارع، بجنب فكره النير المشرق، وتذوقه العالى وخلقه النبيل وسلوكه الهادى الرزين، وصوته الرخيم العذب، وحياته الصالحة النقية، أدرى الناس بشخصيته صاحب الكتاب فهو ابن اخته، رآه منذ أن رأت عينه النور فعرفها وعرف كل مايمت بصلته لهذه الشخصية العظيمة من ظاهر وخفى وصغير وكبير وجولات وابتكارات فى القراءة والمطالعة والدراسات، وتقديم الثمار والانتاجات وتجشم المصاعب والمتاعب فى كل مالقى فى حياته وتقديم حلوله للمشاكل والأزمات والقضايا فحكاها هذا الكتاب وهو شاهد عين ومن اقرب الناس اليه قرابة وعلما ومعرفة وادراكا.

آکسفورڈ اسلامک سینٹر کے روح رواں **محمد اکرم ندوی** سابق استاذ ندوۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جو صدیوں سے دعوت و اصلاح اور تعلیم و تربیت کا علمبردار رہا ہے، اپنے گھر کے علمی و دینی ماحول اور زمانہ طالب علمی سے ندوۃ العلماء جیسے عالمی ادارہ اور تحریک سے وابستگی نے آپ کو اسلام کے نظام تعلیم کے ساتھ مغرب کے نظام تعلیم کا پوری گہرائی اور بصیرت کے ساتھ مطالعہ

کرنے کا موقع فراہم کیا، انگریزی زبان سے واقفیت، صحافت ودیگر ذرائع ابلاغ سے طویل عرصہ کے ارتباط نے آپ پر جدید تعلیم وتربیت کے منفی اثرات روز روشن کی طرح واضح کردئے، آپ تقریباً پچاس سال سے تدریس وتصنیف کے میدان میں پوری دلچسپی کے ساتھ منہمک ہیں اور کئی سالوں سے ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم کے ذمہ دارانہ منصب پر فائز ہیں، آپ کی عربی و اردو کی تحریریں آپ کے عالمانہ نظر، وسیع وعمیق مطالعہ، انصاف و اعتدال پر مبنی فکر اور تجزیہ نگاری کی شاہد عدل ہیں، صرف تحریر ہی نہیں بلکہ عملی طور پر اپنے طلبہ کے اندر اس بصیرت کو پیدا کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، اس عاجز نے ندوۃ العلماء میں آپ سے فکر اسلامی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے اور آپ کی مجالس اور تحریروں سے استفادہ کیا ہے، اسلامی فکر کو راسخ کرنے، مغربی ثقافت وفکر کا مبصرانہ وناقدانہ جائزہ لینے اور جامع اور معتدل نظام تعلیم وتربیت کی تشریح کرنے میں جو رسوخ وملکہ آپ کے یہاں نظر آیا اس کی مثال اس وقت نادر ہے''۔

مولانا سید واضح رشید حسنیؒ کے فرزند ارجمند **مولانا سید جعفر مسعود حسنی** استاذ مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ نقوش فکر وادب کے پیش گفتار میں تحریر فرماتے ہیں:

''معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا مضمون ہو یا مقالہ، کتاب ہو یا کتابچہ، اس کی اپنی ایک الگ پہچان ہوتی ہے، فکر میں جو اس میں پیش کی گئی، اسلوب میں جس میں اس کو ڈھالا گیا، معلومات میں جو اس میں فراہم کی گئیں، پیغام میں جو اس کے ذریعہ قاری کو دیا گیا، جذبہ میں پڑھنے والے کو جو اس میں نظر آیا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی ہر تحریر شوق سے پڑھی جاتی ہے، اور اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر نذیر احمد ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تحریر کرتے ہیں:

حضرت الاستاذ مردم شناسی اور مردم سازی میں ید طولی رکھتے تھے، جو بھی ان کے دامن تربیت سے وابستہ ہوا اسے نہ صرف قابل بلکہ جوہر قابل بنادیا، ان کی تحریک وترغیب، تحریر و ترجمہ میں اصلاح وتصحیح اور اس پر تشجیع سے نہ جانے کتنے تازہ واردان بساط مضمون نگاری وانشاء پردازی کے شہنشاہان اقلیم ہوگئے، کم گو، کم سخن، ایک آدمی نے پوری ''اکادمی'' کا کام تنہا انجام دیا۔

پروفیسر سید راشد نسیم ندوی استاذ شعبہ عربی ایفل یونیورسٹی کا تأثر ہے:

''کہ مولانا مرحوم جامع الصفات تھے، بے انتہا خوبیوں کے مالک تھے، سبھوں کے وہ ہر دلعزیز تھے، شاگردوں کے بے حد محبوب ومربی تھے، ان کے والد محترم اہل اللہ میں شمار کئے جاتے تھے، بیس سال تک آل انڈیا ریڈیو میں بحیثیت مترجم وانا ؤنسر کی خدمات انجام دیں، پھر حضرت مولانا زکریا کاندھلوی کے مشورہ سے ندوۃ العلماء میں تدریس کی اور صحافت کی خدمت کے لئے واپس آگئے، اور مرتے دم تک اسی میں لگے رہے۔

مولانا قمر الزماں ندوی استاذ مدرسہ نورالاسلام کنڈہ کا کہنا ہے کہ مولانا جتنے بڑے عالم اور ادیب ونقاد تھے اس سے زیادہ زاہد اور صوفی تھے، ورع وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر تھے، کم گو تھے اور لایعنی گفتگو سے مکمل پرہیز کرتے تھے، ہمیشہ متفکر رہتے اور قوم و ملت کے لئے سوچتے رہتے تھے، تواضع وخاکساری اور بے نفسی کی جو مثال انھوں نے پیش کی بہت کم لوگوں میں یہ خوبی پائی جاتی ہے۔ وہ مولانا علی میاں ندویؒ کے صحیح اور سچے جانشین تھے، ندوہ کو ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کو ان پر فخر تھا، وہ ہر مکتبہ فکر میں مقبول ومحبوب تھے، مغربی تہذیب وثقافت پر بلاخوف لومۃ لائم نقد کرتے تھے، اور فکر اسلامی کی ترجمانی کرتے تھے، اس کے ساتھ ہی وہ کامیاب اور بے مثال مدرس اور عظیم مربی تھے، ان کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے شاگردوں کو دل سے چاہتے تھے اور کبھی ان کی حوصلہ شکنی نہیں کرتے تھے۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی کا ۱۶؍جنوری کو انتقال ہوگیا، یہ بہت بڑا حادثہ ہے، یہ حادثہ مولانا محمد رابع حسنی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء کا ذاتی حادثہ ہے، یہ ان کے لئے ویسی ہی تھے جیسے حضرت موسیٰ کے لئے حضرت ہارون، مولانا رابع حسنی کا کوئی سفر شہر میں ملک میں اور ملک سے باہر مولانا محمد واضح حسنی کے بغیر نہیں ہوتا تھا، دونوں ایک جان دو قالب تھے۔

یہ حادثہ ندوۃ العلماء کے لئے دلفگار ہے، کہ وہ معتمد تعلیم اور ندوہ کے روح رواں تھے، یہ حادثہ علمی اور ادبی دنیا کا بھی حادثہ ہے کہ وہ عربی زبان کے بے مثل ادیب اور نقاد تھے، اور عربی ادب پر کئی اہم کتابوں کے مصنف تھے اور رابطہ ادب اسلامی کے صدر نشین تھے، ذاتی طور پر وہ ان اوصاف کے مالک تھے، جو تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتے ہیں، ان اوصاف کی تلاش اس زمانہ میں عنقاء کی تلاش، یا بال ہما کی جستجو ہے، بہترین علمی اور فکری اور ادبی صلاحیتوں کے باوصف ہمیشہ خود کو سب کے پس پشت رکھنا اور خودنمائی اور خودستائی سے مکمل گریز، خود افروزی اور دوسروں کی خوردہ گیری سے مکمل اجتناب، کبھی سبقت حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا، ہمیشہ خود کو پیچھے رکھنا مستقل عادت اور وظیفہ حیات تھا، شاد عظیم آبادی کا ایک شعر ہے:

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

اس شعر میں جو فلسفہ بیان کیا گیا ہے، مولانا واضح حسنی کی طبیعت میں اس کا بالکل انکار تھا، ہمیشہ کوتاہ دست رہنا اور دوسروں کو فائدہ پہنچانا اور فائدہ پہنچا کر خوش ہونا ان کی زندگی کا معمول تھا، نرم خو، نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، ان کی شخصیت کی پہچان تھی، ان کی ہر تحریر ان کی جودت فکر کی آئینہ دار ہوتی تھی، اور یہ اس لئے کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، وہ انگریزی، اردو اور عربی کی فکری کتابوں کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتے تھے، عالم اسلام کے حالات اور تاریخ پر ان کی نظر تھی، صلیبی اور استعماری طاقتوں کی ریشہ دوانیوں سے وہ واقف تھے، اسی لئے ان کی تحریروں میں علمی اور فکری وزن ہوتا تھا، اور اس کا نمونہ ان کی اردو کتاب عالم اسلام پر فکری یلغار ہے، جو ان کی عربی کتاب الغزو الفکری کا سلیس ترجمہ ہے۔

مولانا محمد واضح رشید ندوی قلم کے شہ سوار تھے، لیکن ان کا اسپ قلم تازی تھی، رہوار قلم عربی تھا، انداز بیان، ہوشمندانہ اور سنجیدہ تھا، ان کی ایک اور فکر انگیز کتاب موجودہ تہذیب وتمدن اور عالم اسلام کے نام سے شائع ہو چکی ہے، وہ بھی ان کی عربی کتاب کا ترجمہ تھا، مسلمانوں میں اچھے مفکرین کی شدید ضرورت ہے، جو مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کر سکیں، کیونکہ مسلمانوں کا عمومی رویہ اکثر مسائل میں جذباتی، غیر منطقی اور کبھی جارحانہ بن جاتا ہے، مولانا واضح حسنی کا اسلوب بیان منطقی اور تجزیہ دانش وارانہ ہوتا تھا، مولانا کی تحریریں عالمی حالات کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی تھیں ان میں جوش کا عنصر بہت کم اور ہوش کا عنصر بہت غالب ہوتا تھا، یہ تحریریں، یہ کتابیں مفکرانہ انداز میں یہ بتاتی ہیں کہ قافل کیوں لٹا؟ اور رہزن کون تھا؟ اور اس نے رہزنی کیسے کی، اور مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں کیا فرق ہے؟ مولانا کی عربی کتاب ال غزو الفکری اور الٰی نظام

عالمی جدید، بلاشبہ قلب سلیم اور فکر مستقیم کا نمونہ ہے، مولانا محمد واضح حسنی ندوی کی زیادہ تر تحریروں کا موضوع یہی ہے کہ مسلمانوں کی عزت وعظمت کا روشن چاند شکست وزوال کے بادلوں میں کیسے روپوش ہوگیا، اسلامی تہذیب تمدن کا بیڑہ کیوں غرق ہوا، اب عظمت رفتہ کا باز آفرینی کیسے ممکن ہے، اور اس پرآشوب زمانہ میں ہمیں کیا کرنا ہے؟ اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی لیکن اس موضوع پر چند کتابوں کا انتخاب کیا جائے گا ،تو مولانا واضح رشید ندوی کی کتابوں کا نام ضرور لیا جائے گا۔ جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یورپ نے غلبہ کیسے حاصل کیا؟ اس کی ابتری کا راز کیا ہے؟ اس وقت تک ہم صحیح منصوبہ بندی نہیں کر سکتے ہیں، یہ موضوع اتنا اہم ہے کہ کوئی دل دردمند اور فکر ارجمند رکھنے والا شخص اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا ہے۔

مولانا واضح حسنی مفکر اسلام تھے، مفکر اسلام کا کردار اور مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے، اس کی ثقافت اور آگہی کا سرچشمہ قرآن اور سنت نبوی ہوتا ہے، وہ عصر حاضر سے بھی واقف ہوتا ہے، اور عصر حاضر کے مسائل کا حل دریافت کرنے کے لئے قرآن وسنت کے سرچشموں سے اکتساب کرتا ہے اس کی فلر میں وسعت ہوتی ہے، وہ مثل خورشید سحر اپنی روشنی دنیا میں پھیلاتا ہے، اپنی تحریر کے جام جمشید میں ماضی اور حال کی تصویر پیش کرتا ہے اور صفحہ قرطاس کے آئینہ میں قوموں کے عروج وزوال کا منظر دکھاتا ہے اور عبرت کا درس بھی سناتا ہے، وہ مصنف اور صاحب قلم ہوتا ہے، وہ مضامین نو کے انبار لگاتا ہے اور ہزاروں انسان اس کے خرمن فکر کے خوش چین ہوتے ہیں، عربی زبان کے ادیب انشاء پرداز، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم مولانا واضح حسنی ندوی کی کئی کتابیں عربی ادب اور تنقید کے موضوع پر ہیں، مصادر الادب العربی، اور اعلام الادب العربی، اور تاریخ الادب العربی، یہ وہ کتابیں ہیں جو ان کو اعلی منصب پر فائز کرتی ہیں، ان کی دوسری کتابیں الغزو الفکری، اور الی نظام عالمی جدید میں ایک اچھے مفکر کی شان نظر آئے گی، اور ایک عظیم مفکر یا مفکر اسلام یا مفکر ملت کا لقب ان کے شایان شان نظر آئے گا، بہت کم لوگ ہوتے ہیں مفکر اسلام کی قبا ان کی شخصیت پر راس آتی ہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی کے نام کے ساتھ مفکر اسلام لکھا جاتا رہا ہے، وہ بجا طور پر مفکر اسلام تھے، مولانا واضح حسنی ندوی نے ان سے پورا اکتساب کیا تھا اور وہ ان کے سچے جانشین تھے، لیکن انھوں نے کبھی نمایاں ہونے کی کوشش نہیں کی اور اپنے لئے کسی لقب کو پسند نہیں کیا جب کہ آج القاب پر قبضہ غاصبانہ ہونے لگا ہے، یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا کی قرآنی تہدید ان کے پیش نظر نہیں ہوتی ہے۔

سادگی گوشہ نشینی ،گمنامی ،تواضع ،حلم اور نرمی ہی سے مولانا واضح ندوی کی شناخت تھی، ان کے مزاج میں ندویانہ رواداری اور توسع کی صفت تھی، ایک بار ہندوستان حالات حاضرہ اور ملت کی اجتماعی کوششوں پر گفتگو ہو رہی تھی میں نے کہا اس دور کی اصلاحی اور اسلامی تحریکات اور قدیم مکتب فکر کے علماء میں اتنی دوری ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی خدمات سے واقف نہیں ہیں، یہ سن کر افسوس کے ساتھ کہنے لگے نہ صرف یہ کہ واقف نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ برسرعداوت ہیں جیسے سامنے کوئی غنیم کی فوج ہو، اس پر افسوس ظاہر کر رہے تھے، مولانا واضح حسنی کے یہاں غیر معمولی طور پر توسع اور رواداری کا غلبہ تھا، اقبال کا یہ شعر ان پر صادق آتا تھا:

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

واضح دیارِ علم کے روشن چراغ تھے

استاذ گرامی حضرت مولانا سید واضح رشید ندویؒ

مولانا ہاشم نظام ندوی فکر وخبر بھٹکل

کہتے ہیں کہ بعض اوقات نہایت قدآور اور بڑی بڑی شخصیات ہمارے اردگرد موجود ہوتی ہیں مگر ہمیں اس کا احساس نہیں ہوپاتا کہ وہ ہمارے قریب ہی کہیں موجود ہیں، یا ہماری غفلت کی وجہ سے ہم ان کی زندگیوں میں قدر نہیں کر پاتے ہیں، ایسی شخصیات کے دنیا سے گزر جانے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ کس قدر بڑا انسان ہمیں داغِ مفارقت دے گیا، قوم کس سرمایہ سے محروم ہوگئی، گویا کارواں سے میر کارواں چل بسا۔

جی ہاں اسی طرح کی ایک شخصیت، جو انتہائی قدآور تھی، اسلامی صحافت کے علمبردار، عربی زبان کے مایہ ناز فنکار، قلم کے شہسوار، بہترین نثر نگار، ادبِ اسلامی کے قافلہ ادباء کے سالار، جسے مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی سے یاد کیا جاتا ہے، بدھ کی شب تھی، رات کی تاریکی پر صبح صادق کی مدھم مدھم روشنی غالب آرہی تھی، آپ سخت سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو فرما چکے تھے، وضو کے فورا بعد طبیعت میں گرانی محسوس ہوئی، اور اس قدر مضمحل ہوتی گئی کہ احباب کو بات سمجھ میں آتی، اس سے پہلے ہی معاملہ ہاتھ سے نکل گیا، حضرت نے معافی کے ساتھ دعا و درود کی تلقین فرمائی، سب دعا ومناجات میں مشغول ہوگئے، سورہ یٰسین کی تلاوت بھی شروع ہوئی، تکلیف میں بظاہر کچھ تخفیف معلوم ہونے لگی، کہ اذان فجر کا وقت آپہنچا، مؤذن نے اذان شروع کی، اور اسی دوران باوضو اذان کے کلمات سنتے سنتے آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

آپ چلے گئے مگر آپ کا جانا عام آدمیوں کے جانے کی طرح نہیں تھا، اور آپ کے جانے سے ایسا خلا پیدا ہوگیا جس کو پر ہوتے ایک زمانہ لگے گا، آپ کی وفات سے فرزندان دار العلوم ندوۃ العلماء کے سروں سے علمی وتعلیمی سرپرستی کا سایہ اٹھ گیا، خاندانِ حسنی اور خانوادہ علم الٰہی کا روشن چراغ گل ہوا، دار العلوم ندوۃ العلماء کا ایک قابلِ فخر سپوت چل بسا، ندوہ اپنا معتمدِ تعلیم، مجلّہ "البعث الاسلامی" اپنا مدیرِ معاون اور جریدہ "الرائد" اپنا مدیر اعلیٰ کھو بیٹھا، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ میں ایک بنیادی رکن اور رہبر کا خلا پیدا ہوا، حلقہ پیام انسانیت کا مخلص مشیر کوچ کر گیا، عالمی رابطہ ادب اسلامی کا جنرل سکریٹری داغِ مفارقت دے گیا، کئی مدارس اور مکاتب اپنے ناظمِ اعلیٰ وسرپرست سے اور عالم اسلامی ایک عظیم ادیب اور مصنف، دانش ور اور مشیر، اور خاموش مجاہد وصحافی سے محروم ہوگیا۔

آخری وصیت : آپ چلے گئے، لیکن چلتے چلتے چند وصیتوں اور نصیحتوں کے ساتھ اپنا آخری پیغام بھی امت کے نام دے گئے، جن کا خلاصہ رفیق مکرم مولانا کے بھتیجے مولانا محمود الحسن حسنی ندوی نے یوں بیان فرمایا: پہلی وصیت سورہ آلِ عمران کی آخری آیت پڑھ کر، اس سے لطف لیتے ہوئے فرمانے لگے کہ زندگی کے نشیب وفراز میں صبر وتقوی کو تھامے رکھو، قربانیوں کے لئے تیار رہو، اسی میں کامیابی مضمر ہے، یہی دین کا خلاصہ ہے اور اسی میں زندگی کی حقیقی کامیابی کا راز بھی ہے۔ دوسری نصیحت یہ تھی کہ اہلِ کفر ونفاق کے غلبہ اور ان کے دور دورہ سے مسلمانوں کو پریشان نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی اس سے دھوکہ میں آنے کی ضرورت ہے، اہلِ ایمان کیلئے آخرت ہے، یہ دنیا چند روزہ ہے۔ تیسری وصیت پہلی وصیت ہی کے ضمن میں تھی کہ سورہ آل عمران کی اس آخری آیت کو لکھ کر در و دیوار پر آویزاں کرنا چاہئے"

یا أیھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطو واتقوا اللہ لعلکم تفلحون (آل عمران: ۲۰۰) "اے ایمان والو تم ثابت قدم رہو، اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے

لئے تیار رہو اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔

ذات وصفات اور خصوصی امتیازات

آپ نجیب الطرفین تھے، شجرہ نسب مبارک تھا، دونوں طرف سادات کا سلسلہ زریں تھا، نسبی برکت کے ساتھ ساتھ علم و حکمت بھی موجود تھی اور روحانیت ومعرفت بھی، جس کا اثر آپ پر بھی نمایاں تھا، آپ علم وعمل کی جیتی جاگتی تصویر تھے، پرہیز گاری و پاکبازی کا اعلی نمونہ تھے، ولی صفت انسان تھے، آپ کی زندگی صدق وصفا کی کتاب تھی، زہدوتقوی سے عبارت تھی، ساتھ میں رہنے والوں کا بیان ہے کہ آپ میں آخرت کا استحضار ہمہ وقت رہتا، آخری درجہ کا مراقبہ فرماتے، ہردن کو زندگی کا آخری دن اور ہر گھڑی کو آخری گھڑی گردانتے۔ حقیقی معنی میں نمونہ سلف تھے، انتہائی متواضع ومنکسر المزاج تھے، نمازوں کے بعد تلاوت قرآن کا اہتمام کرتے، تلاوت بھی ایسی کہ ایک ایک حرف سمجھ سمجھ کر عشقِ الٰہی میں سرشار ہوکر کرتے، آخری عمر میں جب بینائی متاثر ہوگئی تھی، دیکھ کر پڑھنے میں دقت ہورہی تھی، اس لئے آپ کے پوتے مولوی خلیل حسنی سلمہ اللہ تعالی پڑھ کر سناتے، لکھنا اور پڑھنا زندگی کے معمولات میں شامل تھا، اپنی ذات کو شہرت نام ونمود سے محفوظ رکھا، بڑی سے بڑی کمیٹیوں اور عہدوں تک رسائی پائی، مگر عہدوں پر فخر کرنے کے بجائے اس کو بارِ امانت گردانا، احساسِ ذمہ داری کو اپنے اوپر سوار کیا، اس کے نبھانے کے لیے فکریں کیں، اپنا ہر ممکن تعاون پیش کیا، اس نام ونمود کے دور اور شہرت کے بازار میں اس طرح کی بے نفسی اور منکسر المزاجی کی مثالیں خال خال نظر آتی ہیں۔ نخوت اور خود بینی کا مفہوم ہی ان کے ذہن سے غائب تھا، کبھی کسی ملاقاتی کے سامنے اپنی شخصیت کا اظہار نہیں فرماتے۔ اپنے حسن اخلاق کے طفیل اپنا مخالف شاید ہی کسی کو چھوڑا ہو، ہر مکتبہ فکر کے افراد کے ساتھ محبوبیت کا اظہار فرماتے، بدگمانی سے پرہیز کرتے، عوام وخواص سے یکساں محبت کرتے، استغناء اور خوداری ورثے میں ملی تھی، حیا کا حقیقی مفہوم آپ کی زندگی پر منعکس تھا عزم واستقلال کے پہاڑ تھے۔ کہتے کم اور لکھتے زیادہ، بولتے کم اور کرتے بہت تھے، گفتار سے بڑھ کر کردار کے غازی تھے، تقریر کے شوقین نہ تھے، بلکہ ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت بولتے، انتہائی اختصار کے ساتھ جامع الفاظ میں مافی الضمیر ادا فرماتے، پانچ منٹ میں پچاس منٹوں کا خلاصہ کرتے، گھنٹوں کو منٹوں میں سمیٹ دیتے۔

فکر اسلامی کی صحیح ترجمانی

آپ زبان کی باریکیوں، الفاظ کے حسنِ انتخاب اور معانی کی لطافتوں ونزاکتوں سے بخوبی واقف تھے اور ہر موضوع کو زبان کی لطافت اور کمالات کی وسعت کے ساتھ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، جس موضوع پر لکھتے اپنی انفرادیت قائم رکھتے، زبان وبیان کے جمال کو دوبالا کرتے، جملہ اسلامی علوم پر آپ کی فکر نہایت گہری اور انتہائی وسیع تھی، فکرِ اسلامی پر حد درجہ دسترس تھی، آپ نے مطالعہ کا محور کسی خاص فکر وخیال کو نہیں رکھا، صرف ایک تہذیب وتمدن تک محدود نہیں رکھا تھا بلکہ تمام اسلامی مفکرین کی کتابوں سے حتی المقدور مستفید ہوئے تھے۔ آپ کی تحریریں اور کتابیں فکر کی بلند پروازی کا بین ثبوت ہیں، آپ کا مفکرانہ ذہن قرآنی بصیرت کی روشنی میں معاملات پر غور وفکر کرتا، جس میں ایمانی حرارت بھی شامل ہوتی۔ فکرِ ولی اللہی کے حقیقی ترجمان اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے افکار کے حقیقی داعی اور ان کی تحریروں کے امین تھے، قدیم وجدید کا حسین امتزاج ندوۃ العلماء کے تخیل کا زندہ جاوید پیکر تھے، قدیم صالح اور جدید نافع اور خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول پر عمل پیرا تھے، علیگڑھ اور ندوہ کی تعلیم اور وہاں کے ماحول کے حسین امتزاج نے فکر میں اعتدال اور توازن پیدا کر دیا تھا، ہر خیر کو سراہتے، تدریس ہو کہ صحافت، دعوتی وفکری محاذ ہو یا مستشرقین کی یلغار، ہر محاذ پر مؤثر انداز اور حکیمانہ اسلوب میں اسلام کا دفاع فرماتے، علمی گہرائی کے ساتھ فکرِ اسلامی کی تشریح کرتے، اپنے ارشادات

وفرمودات سے ٹھنڈے دلوں میں زندگی کی ایک روح پیدا کردی، جس سے کتنے بے ہمت اور مایوس افراد منزل مقصود پا گئے۔

اسلامی صحافت سے فریضہ دعوت تک

آج صحافت کے نام پر تجارت ہورہی ہے، پیشہ ور صحافیوں کو قلم کا تاجر کہا جاتا ہے، صحافت آپ کے یہاں پیشہ نہیں تھا، تجارت نہیں تھی، بلکہ زندگی کا ایک مشن تھا، دعوت الی اللہ کا وسیلہ اور عبادت کا ذریعہ تھا، ملت کی ٹھوس تعمیری خدمت اور فکری راہنمائی ان کا نصب العین تھا، وہ ایک باضمیر صحافی تھے، بامقصد ادیب تھے، بغیر کسی کی خوش آمد کئے ہوئے ایک زندہ ضمیر کے ساتھ اسی خدمت میں لگے رہے، اپنی قلمی صلاحیتوں کو دین وملت کی خدمت کے لیے وقف کردیا، ملک ووطن کو مستفید کیا، صحافت مولانا کی زندگی کا ایک حصہ تھا، صحافت کو آپ سے اور آپ کو صحافت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے صحافت کے ذریعہ عربی اردو اور انگریزی تینوں زبانوں میں عظیم خدمات انجام دیں، تینوں زبانوں کی صحافت سے باخبر رہے، عالمی حالات پر گہری نظر رکھی، اس پر بے لاگ اور مثبت تجزیے فرمائے، مغربی تہذیب کے خطرات سے آگاہ فرمایا، تعلیم وصحافت کے ذریعہ آنے والے مضر اثرات اور ارتداد کے خطرات سے آگاہ فرمایا، بالخصوص آپ کے قلم گوہر بار سے عربی زبان کی غیر معمولی خدمات انجام پائیں، اور جہاں دامنِ عربی میں ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا، وہیں اربابِ اردو نے بھی ایک قیمتی سرمایہ پایا، اس طرح آفاقی اور عالمی زبانوں کی خدمت کے ذریعہ آپ کی شخصیت بھی عالمی اور آفاقی بن گئی، آپ کی ذات سے عرب وعجم کو یکساں فیض پہنچا، آپ کے علمی محاضرات، ثقافتی وفکری خطبات اور افکار وخیالات سے لاکھوں بندگانِ خدا نے فائدہ اٹھایا، اور ان شاء اللہ مولانا کی وفات سے یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور اس چشمہ سے آنے والی نسلیں سیراب ہوتی رہیں گی، اور جریدہ "الرائد" نے جہاں امت مسلمہ کی فکری رہنمائی میں حصہ لیا وہیں انھیں صحافیانہ ذمہ داریاں نبھانے، سچائی وصداقت اور حق وحقیت کے چراغ روشن کرنے کے گر بتلائے۔

آپ کا مزاج خالص دعوتی تھا، جماعت دعوت وتبلیغ سے بھی بڑی مناسبت تھی، اس کی افادیت کے قائل ہی نہیں بلکہ اس میں عملا شریک بھی رہے، اپنی جوانی کا ایک حصہ لگایا، حضرت جی مولا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تبلیغی محنت میں شریک ہوئے، جب کہ حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چلہ میں وقت بھی گزارا۔

درس وتدریس سے افراد سازی تک:

جی ہاں یہ بات بالکل صحیح ہے کہ "استاد ہی لکھتے ہیں نئی صبح کی تحریر"، وہی مستقبل کے معمار ہوتے ہیں، انہی کے ہاتھوں قوم کا مقدر چمکتا ہے، انہی سے قوم وملت کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں آپ کی خدمات کا ایک سلسلہ درس وتدریس سے بھی جڑا ہوا ہے، سنہ عیسوی ۱۹۷۳ھ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاد ادب عربی تقرر ہوا، ذرا غور کیجیے کہ یہ کس قدر قربانی کا مرحلہ تھا، کہ آپ دہلی میں رہ کر آل انڈیا ریڈیو میں عربی زبان کی ہی خدمت انجام دے رہے تھے، جہاں کا قیام کئی حیثیتوں سے مفید اور بہتر تھا مادی اعتبار سے بھی آپ کا روشن وتابناک مستقبل وہیں سے وابستہ تھا، مگر آپ نے اپنے بڑوں کے اشارے اور اپنے خالِ معظم سابق ناظم ندوۃ العلماء مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ایماء پر ان تمام مفادات کو قربان کردیا اور اپنے مادرِ علمی دارالعلوم کو ترجیح دی، ریڈیو کی اعلی درجہ کی ملازمت کو خیر باد کہا، دینی خدمت کے جذبہ سے دارالعلوم سے جڑ گئے، آپ نے جس قربانی کے ساتھ دارالعلوم میں قیام فرمایا تھا، یقیناً یہ قربانیاں رنگ لائیں اور ان کا تذکرہ ان شاء اللہ العزیز تا قیامت باقی اور آپ کے فیوض کا سلسلہ جاری رہے گا۔ دارالعلوم میں رہ کر آپ نے افراد سازی کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی، کئی نسلوں کی تربیت کی، آپ قلم کار نہیں بلکہ قلم گر ٹھہرے، کتنوں کو عربی کا اچھا

انشاء پرداز بنایا، ہزاروں کو سوچنے کے زوایئے دئے، سمجھنے کے گر سکھلائے، خدمتِ دین میں ترجیحات کو اپنانے کا سلیقہ بتلایا، روز مرہ کی خبروں پر بے جا تبصروں کے بجائے با مقصد رخ پر کام کرنے کی صلاح دی، آپ نے درس وتدریس، صحافت اور شخصی ملاقاتوں سے ہر میدان کے افراد تیار کئے، اور اپنی شبانہ روز کوششوں سے کچھ ایسے نامور اہل قلم اور صحافیوں کی بھی کھیپ تیار کی جو آج ایک اچھے دانشور اور کامیاب صحافی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، ایک چراغ گل ہونے سے پہلے ہی ہزاروں چراغوں کو روشن کر گیا، ایک چشمہ سے ہزار چشمے پھوٹے، جس سے آنے والی نسلیں سیراب ہوتی رہیں گی، درس وتدریس اور افراد سازی کی یہی ایک خدمت آپ کو ممتاز بنانے کے لیے کافی تھی۔

تحریر سے تصنیف وتالیف تک

محض توفیقِ الٰہی اور فضلِ ربانی ہی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی پیدائش ایک ایسے خاندان میں ہوئی، جو علم وادب کا گہوارہ ہے، فکر وفن کی قدر جس خاندان کا حقیقی ورثہ ہے، علم وحکمت سے وابستگی اس کا لازمی لاحقہ ہے، تحریر وتصنیف جس کا امتیاز ہے، لہٰذا اس عظیم علمی خانوادہ کا علمی ذوق وشوق آپ کو ورثہ میں مل گیا، بچپن ہی سے علمی اور تعلیمی ماحول میسر آیا، مزید آپ کی کوششوں اور شبانہ روز کے علمی شغف نے اور جلا بخشا۔

آپ کی تحریر رواں اور ادیبانہ، زبان میں برجستگی، انداز بیان میں شگفتگی، اسلوب میں سنجیدگی اور الفاظ میں حسنِ معنوی اور صوری بھی رہتا، اور یہ اسلوب ایسا تھا جو نازک ترین فکری، اجتماعی اور سیاسی مسائل پر لکھتے وقت بھی آپ کے ساتھ رہتا، پورے حکیمانہ انداز میں پیش کرتے، آپ نے اپنے وسیع مطالعہ کے حاصلِ مطالعہ کو قلمبند کر کے نئی نسل پر احسان کیا، اپنے افکار و نظریات کو تحریر کا جامہ پہنایا، اپنے خیالات وتجربات کو الفاظ کا پیراہن دے کر اسے تاریخ کا حصہ بنا دیا، وقت تو گزر جاتا ہے مگر بیتے لمحوں کو اپنے قلم کی روشنی سے اسیر کرنا کسی کسی کے نصیب میں آتا ہے، کس قدر رواں اور شستہ تحریر فرماتے، واقعات سے عبرت حاصل کرنا اور اس کا تجزیہ کرنا یہ ہر لکھاری کے بس میں کہاں؟

آپ نے عربی اور اردو دونوں زبانوں میں تحریر فرمایا، البتہ اکثر وبیشتر تصنیفات عربی میں ہیں، مقالات بھی عربی ہی میں تحریر کرنا پسند فرماتے، اپنی تحریروں سے مغربیت کا چہرہ دکھلایا، مستشرقین پر لکھا اور اسلام کی حقانیت، اس کی برتری اور فوقیت کو ظاہر کیا، نظامِ تعلیم وتربیت پر عالمانہ تبصرے کئے، مبصرانہ تجزیے لکھے، تعلیمی راہ سے آنے والے اندیشے اور تقاضے بتلائے، عربی زبان وادب، اس کی خصوصیات اور امتیازات پر بھی مستقل تالیف فرمایا، ادب اسلامی کے ساتھ ساتھ ادبِ جاہلی پر بھی خوب لکھا، ادبِ عربی میں نصابی کتابوں کے لئے تصنیفی مواد فراہم کیا، زمانہء جاہلیت سے لے کر عصرِ حاضر تک کے اہم ادباء اور اہلِ قلم کی نشاندہی فرمائی، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فضائل قرآن اور فضائل درود کا سلیس عربی میں ترجمہ کر کے عربی کتب خانہ میں گرانقدر اضافہ فرمایا، حجازِ مقدس اور جزیرۃ العرب کے سفرنامے قلم بند کئے۔ سوانح میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ کی سوانح تحریر کرنے علاوہ اپنے کرم فرما مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی پر لکھ کر ان کے فکری پہلوؤں کو واضح کیا، ان کے افکار کی روشنی میں دعوتِ اسلامی کے تقاضوں کی طرف نشاندہی کی، مختصر شمائلِ محمدیہ پر لکھنے کے بعد سیرتِ محمدیہ اور ادبِ نبوی پر گرانقدر مواد جمع فرمایا اور آخری کتاب جو انتقال سے دو ہی دن قبل زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آئی، وہ حضراتِ صحابہء کرام کی مثالی زندگی تھی۔

قابلِ تقلید رفاقت

آج مولانا کی جدائی پر زمانہ سوگوار ہے، مگر ذرا اس بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) مدظلہ العالی کا سوچئے، جو عمر کے تفاوت میں تقریباً چار سال بڑے ہیں، مگر جو دونوں "اک جان دو قالب" کے مصداق رہے، جن

دونوں کا ساتھ عمر عزیز کے اکثر حصہ پر محیط تھا، دونوں ایک دوسرے سے الگ ہونا پسند نہیں کرتے، حضرت مولانا کے لئے آپ ایک نہیں دونوں بازؤں کی طرح تھے، ایک ہی کمرہ میں دونوں کا قیام رہتا تھا، تقریبا ہر سفر میں دونوں ساتھ رہتے، ہمہ وقت دینی اور تعلیمی امور پر تبادلہ خیالات کرتے، قومی اور ملی مسائل پر گفت وشنید ہوتی۔

کچھ یادیں

توفیقِ الٰہی اور فضلِ خداوندی کے سبب حضرتِ والا رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، استفادہ کے مواقع ملے، دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد بھی روابط بحال رہے، موقعہ بہ موقعہ خدمتِ گرامی میں حاضری کے مواقع ملے، شکر وسپاس کے جذبہ سے سرشار ہوکر یہ اعتراف بھی میرا واجبی حق ہے کہ اس خانوادہ کے اکابرین سے ملاقاتوں اور ان سے روابط کو بنائے بلکہ نبھائے رکھنے میں رفیق مکرم اور مخلص دوست مولانا سید محمود الحسن حسنی ندوی مدظلہ العالی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس لئے مولانا مرحوم کے تعلق سے بھی متفرق یادیں ہیں جو ماضی کے حسین لمحات بن چکے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیرِ نظر مضمون میں دو تین کو برسبیلِ تذکرہ رقم کیا جائے، تاکہ ذکرِ خیر کا کچھ حق ادا ہو سکے۔ گزشتہ سال بھٹکل میں منعقدہ حضرت مولانا پر عالمی سمینار میں راقم الحروف کا موضوع تھا " اسلامی صحافت اور مفکر اسلام " جو کافی ضخیم مقالہ بلکہ ایک کتابچہ کی شکل اختیار کر چکا تھا، تیار کرتے ہی ایک نظر سرسری نظر استادِ گرامی قدر مولانا نذر الحفیظ صاحب کو دکھایا، پھر اپنے دوست فاضل مصنف مولانا محمود حسنی ندوی نے بھی طائرانہ نظر ڈالی، اس کے بعد مہمان خانہ میں مولانا کے کمرہ کا رخ کیا، مولانا کی خدمت میں مقالہ پیش کیا، آپ نے شروع کے دو تین صفحات پر نظر ڈالی، اس کے بعد صحافت کے تعلق سے انتہائی قیمتی باتیں گوش گزار فرمائیں، اس موضوع کی حساسیت کی طرف اشارہ فرمایا، ضرورت اور تقاضوں کو بتلایا، میرا یہ پہلا موقعہ تھا کہ مولانا کی زبانی اتنی گہرائی اور پوری وضاحت کے ساتھ میڈیا پر بات رکھی ہو، حضرت مولانا نے اسلامی صحافت میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے تھے اس کا جامع خلاصہ پیش فرمایا، میں گھر گیا، دوسرے دن مجھے مقالہ پیش کرنا تھا مگر موضوع کا حق ادا نہ ہونے اور مواد میں اضافہ کرنے کی غرض سے بیٹھ گیا اور ایک دن میں اس کو تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی۔ مرکز جمعۃ الماجد للثقافۃ والتراث کی طرف سے ڈاکٹر عز الدین بن زغیبۃ الجزائری کے ساتھ جب ندوۃ العلماء حاضری ہوئی تو آپ نے دو نشستوں میں مختصر اور جامع انداز میں عالمی حالات پر تبصرے فرمائے، دینی تقاضوں کو سامنے رکھا۔ اسی لئے موصوف کی زبان پر آپ کا تذکرہ رہتا، اور جب انتقال کی خبر سنی، تو اسی وقت سوشیل میڈیا کے ذریعہ عرب دنیا میں اس خبر کو نشر کرنے میں سبقت لے گئے۔ راقم کو آپ سے براہِ راست استفادہ کا موقع فضیلت کے دو سال بعد کے خصوصی درجہ " المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی " میں ملا، اس وقت ہم پانچ ساتھی تھے، قریب رہ کر استفادہ کیا، جس میں فکر اسلامی کی تشریح کا خاص انداز پایا، مکاتب فکر کی خوبصورت ترجمانی کرتے دیکھا، ہر خیر کو قبول کرنے بلکہ اس کو سراہنے کا جذبہ پایا۔ آج سے چھ سال قبل اپنے بڑوں سے مشوروں کے بعد جب فکر وخبر کے قیام کی توفیق ملی، تو سوشیل میڈیا میں قدم رکھنے کے بعد قربت اور بڑھتی گئی، ہر ملاقات پر اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی طرح فکر وخبر کے متعلق دریافت فرماتے اس کی ضرورت کو اجاگر کرتے، تعریفی کلمات سے ہمت افزائی فرماتے، زمانہ کے تقاضوں کو بتلاتے، آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے اور کبھی مفید مشوروں سے نوازتے۔

دست قضا نے ہم سے جدا کر دیا جسے
وہ تو دیار علم کا روشن نشان تھا
تاریکیوں میں شمعِ ہدایت تھا اس کا نام
وہ پتھروں کے شہر میں ہیرے کی کان تھا

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

جناب حفیظ نعمانی (لکھنؤ)

علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ اس کے گھر کا ہر بچہ
جہاں پیدا ہوا شیر خدا معلوم ہوتا ہے

1945ء میں جب والد ماجد بریلی سے ہمیں لے کر ندوہ میں داخل کرانے کے لئے آئے تو ندوہ میں ہی مولانا علی میاں کے ساتھ مہمان خانہ میں قیام ہوا، اس وقت دارالعلوم ندوہ کے مہتمم مولانا محمد عمران خان صاحب تھے اور ناظم مولانا علی میاں کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبد العلی تھے، ہمارا داخلہ عربی کے تیسرے درجہ میں ہوا، اور شبلی ہاسٹل میں رہنے کے لئے کمرہ ملا، درجہ میں پہلے دن آئے تو ان لڑکوں سے تعارف ہوا جو شہر میں رہتے تھے اور ان میں ہی واضح رشید بھی تھے، جو بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مولانا علی میاں کے بھانجہ ہیں اور مولوی رابع صاحب کے (جو اپنے ماموں جان کے ساتھ بریلی آئے تھے) ان کے چھوٹے بھائی ہیں، دو سال ہم دونوں نے ساتھ پڑھا، وہ جتنے سنجیدہ اب تھے، اتنے ہی کم سخن، کم گو اور سنجیدہ ان دو برسوں میں رہے، ہمارے ساتھ ٹوٹ کر محبت کرتے اور اسباق میں مدد کرنے کے باوجود ان کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا، ان کے بڑے بھائیوں میں اس وقت مولانا محمد ثانی اور مولانا محمد رابع دونوں تھے، اور کوئی اتنا خاموش نہیں تھا، دو سال ساتھ رہنے کے بعد ہم دیوبند چلے گئے اور وہ ندوہ میں ہی پڑھتے رہے، اس کے بعد جب رمضان کی چھٹی میں ہم آتے تھے تو وہ رائے بریلی جا چکے ہوتے تھے، اس طرح کئی برس ایسے گزرے کہ کہیں کہیں سامنا ہو گیا، پھر ہماری بھی عملی زندگی شروع ہو گئی اور مولوی واضح کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ دہلی آل انڈیا ریڈیو کے عربی شعبہ سے وابستہ ہو گئے ہیں، یہ معلوم ہو چکا تھا کہ دہلی میں لال کنواں پر وہ اپنے عزیز کے یہاں مقیم ہیں، ایک دفعہ دہلی میں ان کے گھر کے قریب ہی جانا ہوا تو ملنے کے لیے چلے گئے، گھر کے اوپر کے حصہ میں قیام تھا، وہاں گئے تو دروازہ پر کالے رنگ کی چمچماتی ایمبیسڈر گاڑی کھڑی تھی، اوپر گئے تو مردانہ کمرے میں بلا لئے گئے، چند منٹ کے بعد شیروانی پہنے واضح میاں نکلے اور دو منٹ کے بعد معذرت کی، کہ میں ریڈیو سٹیشن جا رہا ہوں، آپ دہلی میں ہیں تو دوپہر کے بعد چاہے جس دن آ جائیں، ظاہر ہے وہ کسی بڑے عہدہ پر تھے جو ان کو لانے اور پہنچانے کے لئے گاڑی آتی تھی، کسی نے بتایا تھا کہ وہ پندرہ برس یا زیادہ وہاں رہے اور پروگراموں کی نگرانی کرتے رہے۔

پھر اچانک معلوم ہوا کہ وہ تعلق ختم کر کے ندوہ میں آ گئے، تحقیق کی تو پتہ چلا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب نے مولانا علی میاں سے فرمایا کہ اس خاندان کے بچوں کو سرکاری نوکری نہیں زیب دیتی، اور مولوی واضح ہزاروں روپے کی ملازمت پر لات مار کر ندوہ کے سیکڑوں میں گزر بسر کرنے لگے، شاید یہ بات غلط نہ ہوگی کہ وہ اپنے خاندان میں علمی اعتبار سے سب سے فائق تھے، وہ سر سے پاؤں تک صرف علم تھے، یہ ان کی کم سخنی اور کم گوئی تھی کہ ملک کے ان معاملات میں، جن میں مٹھی بھر علم والے بھی بولنا ضروری سمجھتے ہیں وہ خاموش رہتے تھے، کبھی کبھی سہارا میں مضمون لکھ دیتے تھے، ان کے والد ماجد عبدالرشید صاحب بولنے سے معذور تھے، اس کا اثر نہ مولانا ثانی میں آیا، نہ مولانا رابع میں، سب سے چھوٹے مولوی واضح شاید اسی اثر سے متاثر تھے، وہ آخر میں ناظم تعلیمات بنا دیئے گئے تھے، جس کے لئے ان سے زیادہ موزوں کوئی نہیں تھا، وہ انتہائی کامیاب استاد تھے، اور جس نے ان سے پڑھا وہ ان کا عاشق ہو گیا، فطرت کے اعتبار سے وہ فرشتہ تھے اور محفوظ عن الخطا تھے، یہ ان کی ولایت ہی تھی کہ انہیں اِس دنیا سے اُس دنیا میں جانے کے لئے نرسنگ ہوم کی سیڑھیاں چڑھنا نہیں پڑیں اور نہ اپنی انتہائی حلال کمائی کا کوئی روپیہ ڈاکٹر کو دینا پڑا، مجھے واضح سے للّٰہی محبت تھی، وہ جب ملتے تھے تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ کسی فرشتے سے مل رہے ہیں، دعا ہے کہ وہ شیخ الحدیث مولانا زکریا کے پڑوس کے محل میں ملیں۔ آمین

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی سے
ایک اہم انٹرویو

انٹرویونگار:
مولانا عبدالباسط شرف الدین ندوی

ترتیب وپیشکش: مولانا محمد قمر الزماں ندوی
مدرسہ نورالاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی، معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ کی موت سے ندوہ ایک اہم علمی ستون سے محروم ہوگیا، ان کی وفات ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم خسارہ ہے جس سے ملت اسلامیہ میں ایک خلا پیدا ہوگیا، ان کی وفات موت العالم موت العالم (عالم کی موت عالم/ دنیا کی موت) کے مصداق ہے، وہ ایک عظیم اسکالر مفکر ومربی کے ساتھ راہ سلوک کے بھی رہرو تھے۔

جدید اور قدیم علوم پر گہری نظر تھی عالم اسلام اور مغربی ممالک پر گہری نظر رکھتے تھے ان کے علمی ادبی اور دینی کارنامے بے شمار ہیں۔ متعدد اردو وعربی کتابوں کے مصنف ومؤلف تھے۔ عربی ماہنامہ البعث الاسلامی اور پندرہ روزہ عربی جریدہ الرائد کے مدیروں میں تھے اور کئی اداروں کے ناظم اور ذمہ دار بھی، وہ اپنی جامع ومؤثر تحریروں اور فکروں سے صرف ملک ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے عالم میں خصوصا عرب ممالک میں جانے اور پہچانے جاتے تھے۔

مرحوم کافی خاموش مزاج، نرم طبیعت اور اچھے اور بلند اخلاق کے حامل تھے، ہمہ وقت فکر میں ڈوبے رہتے تھے، ان کی خاموشی گفتگو ہوا کرتی تھی، یوروپ اور مغربی ممالک پر صاف اور واضح تنقید کرتے تھے اور ان کی خامیوں اور خوبیوں سے پردہ اٹھاتے تھے۔ ان کی تحریریں مغربی کلچر اور مغربی تہذیب وتمدن کو قلع وقمع کرنے کے لئے ہوتی تھیں۔ تعلیم اور نصاب تعلیم پر بڑی گہری نظر تھی اسی لئے ارباب ندوۃ العلماء نے حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندویؒ کے بعد ان کو ندوہ میں تعلیم کا ذمہ دار اعلی بنایا، مولانا ان شخصیات میں سے تھے جن کے انتقال پر ایک زمانہ افسوس کرتا ہے، اور جن پر شاعر کا یہ شعر صادق آتا ہے کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا غرور تعلّی سے یکسر دور تھے تواضع انکساری اور بے نفسی کے ساتھ پوری زندگی گزاری، قرآن مجید سے گہرا شغف اور حد درجہ لگاؤ تھا کئی کئی پارے یومیہ تلاوت کا معمول تھا۔ اخیر عمر میں جب بینائی کمزور ہوگئی تب بھی ایک دو پارے خود تلاوت کرتے اور کسی عزیز یا شاگرد سے اس کے علاوہ دو تین پارے قرآن سنتے۔ بقول حضرت مولانا برہان سنبھلی مدظلہ العالی:

مولانا اپنے علمی کمالات، دور بینی، عربی زبان پر غیر معمولی قدرت، حالات کا صحیح تجزیہ کرنے کی صلاحیت میں اپنے معاصرین میں ممتاز ونمایاں تھے ان میدانوں میں ان کا کوئی ہم سر نہیں ہوا، ان سب خوبیوں کے ساتھ ان کی اخلاقی رفعت، ایثار، سادگی اور بے نفسی ہمیشہ قابل رشک بنی رہی، زندگی بھر وہ قابل رشک رہے ہی، موت بھی ایسی آئی جس پر رشک کرنے کو جی چاہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ عالم اسفل سے عالم بالا کو سدھار گئے۔

حضرت مولانا محمد واضح رشید حسنی ندویؒ دنیا کے ان چند مفکرین میں تھے جن کو انگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے، مولانا کی فکر،

علمی محاضرات اور مقالات ومضامین سے ایک عالم نے استفادہ کیا، یہ سچ ہے کہ کسی کی فکر سے استفادہ کے لئے جہاں اس کی تقریر اور لیکچر وخطاب اور تحریر بے حد اہمیت کی حامل ہوتی ہے وہیں اس کا ایک موثر اور مفید طریقہ انٹرویو بھی ہے بلکہ بعض حیثیت سے انٹرویو کی اہمیت زیادہ ہوجاتی ہے، کیونکہ تقریر و خطاب یا تصنیف وتالیف سے بڑھ کر انٹرویو کے ذریعہ کسی شخصیت کے افکار ونظریات اور خیالات و جذبات سامنے آتے ہیں اور چونکہ اس میں بار بار سوال کرنے کی گنجائش ہوتی ہے اسلئے انٹرویو کے ذریعہ زیادہ واضح اور غیر مبہم طور پر باتیں سامنے آتی ہیں۔

آیئے ذیل کی تحریر میں حضرت مولانا محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی فکر کو سمجھنے کے لئے آج ۲۳ سال پہلے لیا ہوا ان سے ایک اہم انٹرویو ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، آج سے ۲۳ سال پہلے 1987ء میں یہ انٹرویو مولانا مرحوم سے اس وقت کے تخصص دوم کے طالب علم اور بزم صحافت کے نائب معتمد مولانا عبدالباسط شرف الدین ندوی (حال مدیر المعھد العالی للقضاء و الافتاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ) نے لیا تھا۔

سوال: میں (عبدالباسط شرف الدین ندوی) مجلس صحافت کے ایک رکن کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کے تجربات ومعلومات سے مستفید ہوکر دوسروں کو استفادہ کا موقع دے سکوں، ہمیں توقع ہے کہ آپ ہماری ہمت افزائی فرمائیں گے!

جواب: (از: مولانا واضح رشید ندوی حسنی) میرے انتخاب میں آپ نے ضرورت سے زیادہ خوش اعتقادی کا مظاہرہ کیا ہے، میں اپنے کو طالب علم سمجھتا ہوں، الحمدللہ ہمارے اس محدود ماحول میں ایسی کئی شخصیتیں ہیں جن سے دوسرے طلبہ علم کے ساتھ میں خود استفادہ کرنا اپنے لئے باعث شرف سمجھتا ہوں، اور جن کی زندگی سبق آموز واقعات وتجربات سے معمور ہے۔

سوال: سب سے پہلے ابتدائی حالات، گھریلو ماحول وفضا اور تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد تک کاروان حیات کو کن کن منزلوں سے ہوکر گزرنا پڑا، اور کہاں کہاں اس نے پناہ لی، نیز ہم یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ آپ کی فکری اور اخلاقی نشو ونما میں کن لوگوں نے موثر کردار ادا کیا؟

جواب: میں دائرہ شاہ علم اللہ (ضلع رائے بریلی) میں سکونت پذیر حسنی خاندان کا ایک ادنی فرد ہوں، ابتدائی تعلیم گھریلو نظام کے مطابق ہوئی، میری ابتدائی تعلیم وتربیت مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحب کی نگرانی میں ہوئی، جو اس عصر کے خاندان کے اکثر افراد کے استاد ومربی ہیں، ان کو تعلیم وتربیت سے خاص دل چسپی تھی، کچھ عرصہ ''مدرسہ الٰہیہ'' رائے بریلی میں زیر تعلیم رہا، عربی تعلیم کی ابتدا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہوئی اور یہیں تعلیم مکمل ہوئی، 1951ء میں فضیلت ادب سے فراغت حاصل کی، ایک سال تکمیل ادب میں گزرا، 1952ء سے 1973ء تک آل انڈیا ریڈیو کے شعبہ عربی سے منسلک رہا، اس عرصہ میں انگریزی پڑھنے کا موقع ملا، اور بی۔اے تک امتحانات پرائیوٹ طور پر دیئے، 1973ء سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شعبہ عربی سے منسلک ہوں، گھریلو ماحول وفضا کے جاننے کے لئے ''حیات عبد الحی'' اور ''ذکر خیر'' کا مطالعہ زیادہ مناسب ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں کتابوں کو دارالعلوم کے ہر طالب علم کو پڑھنا چاہیے، گھریلو ماحول پر نانی صاحبہ (والدہ ماجدہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ) اور لکھنو میں تعلیم کے زمانہ میں ہمارے دونوں ماموں ڈاکٹر عبدالعلی صاحب مرحوم اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی رہنمائی وتربیت غالب رہی۔

سوال: دور طالب علمی میں زیادہ کن موضوعات سے دلچسپیاں رہیں، اور ان سے استفادہ کی کیا صورت اختیار کی، آپ کی سب سے محسن کتاب کون سی ہے، اور دور طالب علمی میں آپ کے مطالعہ کا کیا طریقہ رہا؟

جواب: دور طالب علمی میں درسیات کے ساتھ صالحین کے

تذکرے، تحریک اسلامی کی تاریخ اور تاریخ اسلام سے خاص طور پر دلچسپی رہی، عربی زبان وادب میں قدرت اور ذوق سلیم حاصل کرنے کا شوق غالب رہا، اس کی وجہ سے ان کتابوں سے دلچسپی رہی جن کے بارے میں اساتذہ سے معلوم ہوا کہ وہ اس صلاحیت کے پیدا کرنے میں ممد ومعاون ہیں اور اہل زبان سے ملنے اور بات کرنے میں لطف محسوس ہوتا تھا، یہ متعین کرنا دشوار ہے کہ کون سی کتاب حقیقت میں محسن کتاب ہے، ہر کتاب جو مطالعہ میں آئے، اور ذہن وفکر پر اچھا اثر ڈالے یا تحریک پیدا کرے محسن ہے قرآن وحدیث سے بڑھ کر کون سی کتاب محسن ہوسکتی ہے، علم قرآن وحدیث کا میں دعوی نہیں کرسکتا مگر دور طالب علمی ہی سے مجھے قرآن وحدیث کے مطالعہ میں ذوق وفکر اور طرز زندگی کی تعیین میں بڑی مدد ملتی رہی، خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی کتاب مضامین قرآن جس کا درس وہ میرے طالب علمی میں خود دیتے تھے قرآن سے شغف پیدا کرنے میں بڑی مددگار ثابت ہوئی، تذکروں میں سیرت سید احمد شہید سے مجھے بڑا فائدہ پہنچا، گھر میں ''فتوح الشام'' کا منظوم ترجمہ ''صمصام الاسلام'' پڑھی جاتی تھی، اس کے سننے سے دینی جذبہ، صحابہ کرام کی عظمت اور دین کی اشاعت و دعوت سے مناسبت اور شوق محسوس ہوتا تھا، اسی کا اثر تھا کہ بعد میں مجھے مجاہدین، دعاۃ اور باعزم وحوصلہ مسلم حکام کے تذکرے پڑھنے میں لطف آتا رہا، مطالعہ کے سلسلہ میں میرا طریقہ منتخب مطالعہ کا رہا ہے، خاندان کے بڑوں سے اور اساتذہ سے، جن سے درسی استفادہ کے ساتھ ذہنی مناسبت تھی مشورہ کرکے مطالعہ کرتا رہا، خاص طور سے خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی سے جن کی رہنمائی طلب علم کی ہر منزل میں حاصل رہی، چاہے وہ موضوع ادبی ہو یا تاریخی یا تربیتی، میرا خیال ہے کہ غیر منتخب مطالعہ ذہنی انتشار اور عدم توازن پیدا کرتا ہے، ہر کتاب ہر عہد میں مفید نہیں ہوتی اور نہ ہر ایک کے لئے مفید ہوتی ہے، علم بھی غذا کی طرح ہے جس کے لئے ہضم کی صلاحیت کی رعایت ضروری ہے۔

سوال: طالب علمی کے زمانہ میں کن اساتذہ سے زیادہ تر استفادہ کا موقع ملا، اور کس استاذ نے ذوق وذہن کی تشکیل میں اہم اثر ڈالا؟

جواب: عہد طالب علمی میں مولانا عبدالحفیظ بلیاوی صاحب مرحوم، مولانا اسباط صاحب مرحوم، مولانا اویس صاحب ندوی مرحوم، شاہ حلیم عطا صاحب مرحوم، مولانا محبوب الرحمٰن صاحب ازہری، مولانا ابوالعرفان خاں صاحب ندوی، مفتی سعید صاحب، مولانا اسحاق صاحب سندیلوی اور مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی سے مجھے طویل مدت تک استفادہ کا موقع ملا، ہر استاد کا خاص رنگ، ذوق اور طرز تدریس تھا، مولانا عبد الحفیظ بلیاوی مرحوم طلبہ کے ساتھ بہت شفقت اور ہمدردی کا معاملہ فرماتے تھے اگرچہ وہ اس زمانہ میں اپنی لغات کی تالیف میں بہت مشغول تھے، ان میں غیر معمولی تواضع تھی، تدریس میں طالب علم کے ذہن اور صلاحیت کی خصوصی رعایت فرماتے، اور خارج اوقات میں بھی مدد فرماتے تھے، مجھے ان سے درجہ کے علاوہ ادب کی بعض کتابیں خارج میں پڑھنے کا موقع ملا۔

سوال: آپ عرصہ تک آل انڈیا ریڈیو کے عربی سکشن سے وابستہ رہے، آپ نے ترجمہ کے میدان میں جو تجربہ حاصل کیا خصوصا ترجمہ کی دقت اور مشکلات کے بارے میں، ہم اس کے متعلق جاننا چاہتے ہیں!

جواب: یہ سوال بہت تفصیل طلب ہے، ترجمہ میں دونوں زبانوں سے واقفیت اور ادبی ذوق ضروری ہے اور جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے، اس زبان سے زیادہ واقفیت اور قدرت کی ضرورت ہوتی ہے، اس کا انحصار موضوع پر بھی ہے، بعض موضوعات مجرد نقل کے طالب ہوتے ہیں، بعض موثر طریقہ پر نقل کے، یہ فیصلہ مترجم کے لئے ضروری ہے، موثر نقل میں ضروری ہے کہ اصل عبارت میں جو تاثیر ہے اس کا حجم ترجمہ میں قائم رہے۔ آل انڈیا

ریڈیو سے ہمارا تعلق 1952ء میں ہوا، اس وقت عربی شعبہ میں بہت اچھے عربی مترجم تھے، مجھے ان سے استفادہ کا کافی موقع ملا، اور الفاظ کی قیمت و حجم معلوم ہوا، سیاسی تبصرہ نگاروں سے مجھے کلام میں تقدیم و تاخیر، حذف و ذکر، تلمیح و تفخیم کا سیاسی مفہوم و طریقہ معلوم ہوا، اس زمانہ میں ادب حدیث پڑھنے کا اچھا موقع فراہم ہوا، اس لئے کہ ریڈیو کی لائبریری میں جدید ادب کا اچھا ذخیرہ تھا، اس کے علاوہ اخبارات و رسائل بڑی تعداد میں آتے تھے، ہندوستان آنے والے عرب زعماء و قائدین کو عربی شعبہ کی طرف سے دعوت دی جاتی تھی، اس طرح ان سے ملنے اور گفتگو کرنے کا بھی خوب موقع ملا، جس سے عالم اسلام کے رجحانات معلوم ہوتے رہے۔

سوال: تدریسی زندگی میں جو تجربات آپ کے سامنے آئے ان کی روشنی میں طالب علموں کو آپ کیا مشورہ دیں گے؟

جواب: تدریس میں سمجھتا ہوں کہ محنت و وسعت مطالعہ، طالب علم کے ذہن کی رعایت، اور اچھا نمونہ ہونے کی کوشش، تواضع، دعا سب سے کارآمد ذریعہ ہے، میں نہیں جانتا کہ میں اس پر عمل کر پاتا ہوں، البتہ دعا ضرور کرتا ہوں کہ یا معلم ابراھیم علمنی!

سوال: صحافت سے آپ کا گہرا ربط و تعلق رہا ہے، اور آج بھی اس میدان میں آپ کا قلم رواں دواں ہے، ایک با مقصد اور طاقتور صحافت کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے، اسلامی دنیا کی صحافت کے بارے میں ہم آپ کی رائے سننے کے مشتاق ہیں!

جواب: صحافت میں موجودہ مسائل سے واقفیت، آسان و موثر تعبیر، موضوع کا صحیح انتخاب اور اعلی مقاصد کی تکمیل اسلامی صحافت کا نصب العین ہونا چاہیے۔

سوال: اس ضمن میں ہم یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ صحافت کے ذریعہ ہم دین اسلام اور انسانیت کی کس حد تک خدمت انجام دے سکتے ہیں؟

جواب: صحافت دعوت کا سب سے موثر ذریعہ ہے، دوسرے سارے وسائل محدود ہیں، صحافت خونچہ والے سے لے کر تخت و تاج کے مالک تک اثر انداز ہوتی ہے، اسی لئے اس کو صاحبۃ الجلالہ کا خطاب دیا گیا ہے، موجودہ عصر میں صحافت ہی ذہن بناتی اور بگاڑتی ہے۔

سوال: ہندوستان کے موجودہ حالات میں علماء کس طرح اپنا رول مؤثر طریقہ سے انجام دے سکتے ہیں، اور ان کاموں کے لئے کس زبان کا سہارا لینا زیادہ مفید ہوگا؟

جواب: علماء اپنے عصر، اپنی قوم کی زبان میں کمال پیدا کر کے زیادہ بہتر طریقہ سے اثر انداز ہوسکتے ہیں، انبیاء کرام کے لئے یہی وصف قرآن نے بیان کیا ہے، عالمی میدان میں کسی خارجی زبان کا جاننا بھی ضروری ہے، اس وقت بین الاقوامی اثر ان ہی علماء کا ہے جو کسی نہ کسی عالمی زبان و ادب سے واقفیت رکھتے ہیں، اور عالمی رجحانات اور خطرات، فلسفات و نظریات سے واقف ہیں۔

سوال: آج کل یکساں سول کوڈ کے مسئلہ نے مسلمانوں کی نیند اڑا دی ہے، اس مسئلہ کے اسباب و محرکات پر کچھ روشنی ڈالنا مناسب سمجھیں گے؟

جواب: اس مسئلہ پر مسلم پرسنل لا بورڈ نے اچھا خاصا لٹریچر فراہم کر دیا ہے، اس کا مطالعہ بہتر ہے، یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔

سوال: آخر میں ہم آپ سے کسی ایسے پیغام کے طالب ہیں جو ہم طلبہ خصوصا سندی درجات والوں کے لئے مستقبل میں مشعل راہ ثابت ہو اور ہم اس سے فائدہ اٹھا سکیں؟

جواب: اس کے لئے میں سمجھتا ہوں ''پا جا سراغ زندگی'' کا مطالعہ زیادہ بہتر ہے، میں خود اس کا محتاج ہوں، مختصرا یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اعلی مقصد سامنے رکھنا چاہیے، کسی مرشد و مربی سے اپنے کو متعلق رکھنا چاہیے اور حاصل کی ہوئی تعلیم سے وابستہ رہنا چاہیے، ''الاصلاح'' کے آخری جلسہ میں حضرت مولانا نے (علی میاں ندوی صاحب) نے اسی کی طرف متوجہ فرمایا تھا۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

علم، تواضع اور شرافت کا پیکر

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، دہلی

صبح دور کسی مسجد کے مائیک سے یہ اعلان کیا جا رہا تھا کہ سورج طلوع ہوگیا ہے، اسی لمحے ایک دوست نے ایک دوسرے سورج کے غروب ہوجانے کی اطلاع دی، یہ سورج تھا علم وفضل کا، شرافت ومروّت کا، تواضع وخاک ساری کا اور شفقت ومحبت کا، کیسے لکھوں کہ یہ خبر تھی میرے انتہائی مشفق اور کرم فرما استاذ مولانا واضح رشید ندوی کی وفات کی، یہ سنتے ہی میری زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے جن کے ذریعہ کبھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رنج وغم کا اظہار کیا تھا:

"إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ، وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَايَرْضىٰ رَبُّنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ لَمَحْزُونُونَ." (بخاری: 1303، مسلم: 2315) "آنکھ اشک بار ہے اور دل رنجیدہ ہے، لیکن ہم وہی کہیں گے جس میں ہمارے رب کی مرضی ہے، ہم آپ کی جدائی پر غم گین ہیں"

صبح سے تعزیتی کلمات اور تاثرات کا تانتا بندھا ہوا ہے، واٹس ایپ پر، فیس بک پر، سوشل میڈیا کے دیگر ذرائع پر، تعزیتی نشستیں منعقد ہونے لگی ہیں، جن کا سلسلہ آئندہ کچھ دنوں تک جاری رہے گا، ہونا بھی چاہیے، مولانا کے ہزاروں شاگرد پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کا فرض ہے اور مولانا کا حق ہے کہ علم کی قدر افزائی اور احسان شناسی پر مبنی تاثرات کا اظہار کریں، مولانا نے علم، ادب اور صحافت کے میدانوں میں جو خدمات انجام دی ہیں، ضروری ہے کہ ان کا اعتراف کیا جائے اور ان کا ذکر خیر ہو، اس موقع پر میں بھی اپنے اوپر لازم سمجھتا ہوں کہ چند آنسوؤں کی سوغات پیش کروں، تاکہ اس سے احسان شناسی کا اظہار ہو: مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ (صحیح الترغیب: 976)

ندوۃ العلماء لکھنؤ میں میں نے آٹھ برس (1975_83) گزارے، اپنی بعض کمیوں کی وجہ سے اساتذہ سے میرا رابطہ صرف کلاس کی حد تک رہتا تھا، جن اساتذہ نے خود آگے بڑھ کر مجھے اپنے سے قریب کیا، شفقت نچھاور کی اور تربیت کی ان میں سے ایک استاذ گرامی مولانا واضح صاحب بھی تھے، کلاس میں استفادہ کے علاوہ الگ سے بھی ان سے خوب فیض اٹھانے کا موقع ملا، ان کے چند اوصاف کا تذکرہ ذیل میں کرنا چاہتا ہوں:

1_تربیت مولانا حقیقت میں بہترین مربی تھے، انھوں نے بے شمار طالب علموں کو لکھنا اور ترجمہ کرنا سکھایا، وہ ندوہ کے پندرہ روزہ عربی جریدہ 'الرائد' کے ایڈیٹر تھے، انگریزی اور اردو اخبارات میں اہم خبروں کو نشان زد کرکے وہ ہمیں عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے دیتے، ہم جیسا بھی ترجمہ کرتے، مولانا اسے اشاعت کے قابل بنا دیتے، وہ ترجمہ ہمارے ہی نام سے شائع ہوتا، چاہے اس میں ایک بھی لفظ ہمارا نہ بچا ہو، اسی تربیت کا فیض تھا کہ بعد میں میں نے کئی کتابوں کا اردو سے عربی میں اور خاصی کتابوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا۔

2_ اسلوب اور اندازِ تحریر: ندوۃ العلماء کے عربی ماہ نامہ 'البعث الاسلامی' میں 'صور وأوضاع' کے نام سے ایک کالم مولانا کے ذمے تھا، وہ ہر ماہ اس کے لیے ایک مضمون لکھتے تھے، یہ میرا پسندیدہ کالم تھا، جسے میں بہت شوق سے پڑھتا تھا، اس کے الفاظ حل کرتا اور اس کی تعبیرات کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتا تھا، مولانا اپنے ہر مضمون میں کوئی ایشو اٹھاتے، اسلام کے مخالفین کی سازشوں کو بے نقاب کرتے، اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دیتے، وہ لفّاظی اور تکرار سے بچتے تھے، انھوں نے ہمیں سکھایا کہ عبارت آرائی، بھاری بھرکم الفاظ کا استعمال کرنے، تشبیہات واستعارات کا طومار باندھنے اور ایک ہی بات کو الفاظ بدل بدل کر اور گھما پھرا کر پیش کرنے کے بجائے

فکر پر توجہ دینی چاہیے، الفاظ خود بہ خود نوکِ قلم پر آجاتے ہیں، آئندہ زندگی میں میں نے زبان اور اسلوب کو سادہ اور عام فہم بنانے کی کوشش کی، یہ مولانا کی ہی تربیت کا اثر ہے۔

3_ **خاموشی** مولانا کا ایک نمایاں وصف خاموشی تھا، وہ بس کام سے کام رکھتے تھے، بلاضرورت بہت کم بولتے تھے، کسی کی برائی اور عیب جوئی سے کوسوں دور رہتے تھے، ان کی تحریریں بھی بے جا نقد سے بالکل پاک ہیں، انھوں نے ہمیں سکھایا کہ زیادہ بولنا خوبی کی بات نہیں ہے، خاموشی شخصیت کا حسن ہے، اس سے آدمی بہت سی مجلسی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

4_ **اخفاء** : مولانا کو میں نے ہمیشہ اسٹیج سے دور دیکھا، اپنی طالب علمی کے آٹھ سالہ دور میں کبھی انھیں تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا، وہ پردہ کے پیچھے رہ کر کام کرنے کے عادی تھے، کم علم اپنے علم کی نمائش کے لیے کوشاں رہتے ہیں، اس کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے مواقع ڈھونڈتے رہتے ہیں، مولانا علم کا سمندر تھے، لیکن ان سب چیزوں سے بالکل بے نیاز تھے، انھوں نے ہمیں سکھایا کہ خود نمائی سے دور رہ کر آدمی کو علمی کاموں میں مصروف رہنا چاہیے۔

5_ **تواضع** :

تواضع اور سادگی مولانا کی پہچان تھی، ان کا رہن سہن، نشست و برخاست، کھانا پینا، لباس بہت سادہ تھا، کرّ وفر اور طمطراق سے بہت دور رہتے تھے، مولانا نے ہمیں سکھایا کہ جس طرح پھل دار درخت کی ٹہنیاں اوپر نہیں اٹھتیں، بلکہ نیچے جھکتی ہیں، اسی طرح علم سے فروتنی آنی چاہیے، نہ کہ اس کی وجہ سے انا، خود پسندی اور غرور کا اظہار ہو۔

6_ **محبت** :

مولانا اپنے شاگردوں سے بہت محبت کرتے تھے، ان کا ہر شاگرد سمجھتا تھا کہ وہ ان سے سب سے زیادہ قریب ہے، یہ تعلق ندوہ سے نکلنے کے بعد بھی قائم رہتا تھا، فراغت کے بعد میرا ندوہ بہت کم جانا ہوا، لیکن جب بھی گیا، مولانا سے ضرور ملاقات کی، رسائل، جن میں میرے مضامین شائع ہوتے تھے، ان کی نظر سے گزرتے رہتے تھے، خاص طور سے 'تحقیقات اسلامی' الرائد کے تبادلے میں ان تک پہنچتا تھا، وہ میرے مضامین کے بارے میں بہت تحسینی کلمات کا اظہار کرتے تھے۔

ایک واقعہ تو بھلائے نہیں بھولتا، کئی برس قبل جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ میں ایک سمینار تھا، افتتاحی اجلاس کے بعد نماز ظہر اور کھانے کا وقفہ تھا، سوچا مولانا رابع صاحب اور مرحوم سے علیک سلیک کرلوں، ان کے کمرہ میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنے ہی پاس کھانے کے لیے روک لیا، احوال دریافت کیے، گفتگو کے دوران مولانا رابع صاحب نے فرمایا: "رضی الاسلام تو اپنے تھے" مولانا واضح صاحب نے فوراً مسکراتے ہوئے دھیرے سے کہا: 'اب بھی اپنے ہیں" اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے دو محترم اور مشفق اساتذہ سے یہ مختصر جملے سن کر مجھے کتنی خوشی حاصل ہوئی ہوگی ؟! واقعہ یہ ہے کہ ان جملوں کی لذت میں اب بھی محسوس کرتا ہوں۔

مولانا کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، ہمارے ہم درس ساتھیوں میں برادران: حشمت اللہ، اکرم، آفتاب، وزیر عمر لداخی، ضیاء الدین وغیرہ مولانا سے بہت قریب تھے، انھوں نے ان سے بھرپور استفادہ کیا، مولانا کے صاحب زادے بھائی جعفر بھی ہمارے کلاس فیلو تھے، ان سے میرا یارانہ تھا، اس وجہ سے بھی مولانا مجھے عزیز رکھتے تھے، جعفر مولانا کے جانشین ہیں ممتاز علمی صلاحیت کے مالک ہیں، تحریر اور تقریر دونوں کے شہ سوار ہیں عربی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں، وہ جو کچھ دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مولانا کے ہزاروں شاگرد جو کچھ کررہے ہیں وہ ان شاء اللہ ان کے حق میں صدقہ جاریہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ استاذ محترم کی مغفرت فرمائے اور جنۃ الفردوس میں جگہ دے اور ان کے برادر اکبر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، بھائی جعفر اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا واضح صاحب کتنے خوش قسمت نکلے

حضرت مولانا ممشاد علی قاسمی خلیفہ مجاز مرشد الامت حضرت مولانا رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
وصدر جمعیت فلاح دارین ، بلاسپور مظفرنگر، یوپی

شرافت جس پر ناز کرتی تھی، قرطاس وقلم کو جس پر فخر تھا. مسند علم و دانش کے وقار میں جس نے اضافہ کیا، دنیا کے سامنے اخوت کی ایک لازوال مثال قائم کرنے والے حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحبؒ ۱۶ر جنوری کی صبح اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحب کے انتقال پر آنسو بہائے جائیں یا ان کی کامیاب زندگی اور مبارک موت پر مولائے کریم کا شکر ادا کیا جائے دونوں ہی بجا ہیں، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو درپیش غالبا کوئی بھی مسئلہ ایسا نا ہوگا جس پر وہ حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحبؒ سے مشورہ نہ کرتے ہوں لیکن قربان جایئے ان کی متواضعانہ شرافت پر کہ ہمیشہ زندگی کے ہر مرحلہ اور ہر معاملہ میں ساتھ رہنے کے باوجود کبھی بھی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی، ندوہ العلماء کے معتمد تعلیمات اور جلیل القدر علمی صلاحیتوں کے مالک، دنیائے عرب سے اپنے قلم کا لوہا منوانے والے، اپنے رواں اور شاداب قلم گوہر بار سے علم و آگہی کی لازوال روشنی بکھیرنے والے، اپنی بہترین صلاحیتوں کو اپنے ہزاروں شاگردوں میں کامیابی کے ساتھ منتقل کر دینے والے بہترین استاذ، صاحب طرز عربی ادیب ومصنف، عالم اسلام اور دنیا کے مسلمانوں میں دشمنان اسلام کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور مکاریوں پر گہری نظر رکھنے اور اپنے فاضلانہ تبصروں اور تذکروں سے عالم اسلام کو بیدار کرنے والے مفکر، اتنی سادگی اور یکسوئی کے ساتھ رہتے تھے کہ باہر تو کیا خود ندوہ العلماء میں بعض غیر متعلق طلباء ان کے بلند مرتبے اور بلند علمی مقام سے غائبانہ ہی واقف تھے، کم گوئی ان کے مزاج میں شامل تھی، بولتے بھی تو علمی گفتگو یا ملی مسائل پر ہی گفتگو کرتے، شاید انہوں نے کسی کی دل آزاری کی بات زندگی میں کبھی نہیں کی ہوگی، یہ ان کے مزاج میں تھا ہی نہیں، میں مولانا کو گزشتہ تقریبا ۳۲ سال سے جانتا ہوں. کئی بار میری درخواست پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کے ساتھ جامعہ فلاح دارین بلاسپور، مظفرنگر میں بھی تشریف لائے، اس طویل مدت میں ان کے ساتھ خوشی وغم کی بے شمار صحبتوں سے فیض یاب ہوا ہوں لیکن کسی ایک مجلس میں بھی ان کی زبان سے کسی کے بارے میں ایسے الفاظ، تذکرے، تبصرے نہیں سنے جن سے عوام کی تو کیا اہل علم کی بھی کم ہی مجالس خالی ہوتی ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی زبان و ادب کے استاد، شعبہء عربی کے صدر اور معتمد تعلیمات کے تمام مراحل انہوں نے بڑے وقار اور کامیابی کے ساتھ طے کئے، وہ ایک کامیاب استاذ، باکمال مصنف و ادیب اور عمدہ منتظم تھے. ان کی تصانیف و مقالات کا مدلل طرز بیان، مبصرانہ مفکرانہ انداز، دردمندانہ لہجہ، دل ودماغ کو سیدھا متاثر کرتا تھا، عرب دنیا میں ان کی کتابیں، ان کی مختلف تحریریں بڑے شوق ورغبت سے پڑھی جاتیں اور بہت احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھی. بیس سے زائد اہم عربی کتابوں

کے مصنف، بے شمار مقالات ومضامین (اردو کتابوں اور مضامین کی ایک مستقل فہرست ہے) مگر تواضع کا یہ عالم کہ ان کے بلند علمی مقام اور بے پناہ قلمی خدمات کے ادنی اعتراف کے طور پر بھٹکل میں مولانا الیاس صاحب ندوی نے جب اپنے ادارہ میں ان کے نام سے لائبریری موسوم کی تو اسے دیکھ کر رونے لگے، وہ کبھی خود کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے، دوسروں کی ادنی خوبی کو بھی وہ بہت خوش ہوکر بیان کرتے تھے، لیکن اپنے بڑے سے بڑے کمال کا خود اظہار کرنا تو دور کی بات دوسروں کے اعتراف کے بھی متحمل نہیں ہوتے تھے، اپنے برادر بزرگ مرشدی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کے ساتھ ان کی جوڑی دنیا کی ایک نادر اور مثالی جوڑی تھی، جس کی نظیر نہ کہیں دیکھی نہ سنی، حضرت مولانا واضح صاحبؒ تین سال چھوٹے تھے لیکن دونوں بھائیوں میں ایسی محبت اور قلبی موانست تھی کہ ان کے چشم دید واقعات تفصیل سے بیان کئے جائیں تو شاید سننے والے مبالغہ سمجھیں۔ 1987 سے مجھے اس خانوادہ سے نیاز حاصل ہے، اس دوران میں نے نہیں دیکھا کہ دونوں بھائی سفر یا حضر میں کبھی بھی الگ رہے ہوں اس سے قبل بھی انڈونیشیا سے لے کر امریکہ تک کوئی بھی سفر رہا ہو ہندوستان یا ندوہ کی تو بات ہی کیا، کبھی بھی کہیں بھی کسی بھی پروگرام میں بھی ان کو الگ نہیں دیکھا گیا، حضرت مفکر اسلامؒ کے ساتھ سفر میں بھی ہمیشہ یہ ترتیب رہتی کہ حضرت کمرہ میں آرام فرماتے اور اس کے آس پاس ایک کمرہ میں دونوں بھائی قیام فرماتے، ندوہ میں بعض خدام سے معلوم ہوا کہ حضرت مفکر اسلامؒ کے وصال کے بعد مولانا واضح صاحب نے احتراما عرض بھی کیا کہ میں الگ کمرے میں سو جایا کروں گا، شاید اس کی وجہ یہ بھی رہی ہو کہ حضرتؒ کے بعد حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ کی خدمت میں ملاقات کیلئے آنے والوں کی آمد ورفت بڑھ گئی تھی، اس لئے مولانا نے یہ درخواست کی لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا. ایک خادم نے بتایا کہ ندوہ میں جہاں حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم کا قیام رہتا ہے اور جو مہمان خانہ کے نام سے معروف ہے اسی کے کمرے میں دونوں بھائی آرام فرماتے تھے، چوں کہ دونوں میں انتہائی محبت کے ساتھ قدرے بے تکلفی بھی تھی، اس لئے مولانا واضح صاحبؒ نے احترام کے ساتھ مزاحیہ انداز حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہم سے عرض کیا کہ ماموں جان (حضرت مفکر اسلامؒ) کے بعد اب آپ ہمارے پیر ہوگئے ہیں، اس لئے آپ یہاں سویا کریں، میں اوپر والے کمرے میں سو جایا کروں گا، یہ کہہ کر حضرت مولانا واضح صاحبؒ اوپر چلے گئے، بعد العشاء مجلس کے بعد حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہم آرام کیلئے لیٹے لیکن خادم کا بیان ہے کہ تھوڑی ہی دیر بعد اٹھے، تکیہ بغل میں دبایا اور اوپر مولانا واضح صاحب کے پاس پہنچ کر بچوں کی سی معصومیت سے بولے کہ واضح ہم بھی یہیں لیٹ جائیں گے، پھر حسب سابق نیچے ایک ہی کمرے میں آرام فرمانے لگے اور یہ معمول آخر تک قائم رہا، حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب کا خانقاہ تکیہ رائے بریلی میں رمضان شریف کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف کا معمول ہے، یہ وہی مسجد ہے جو حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ نے حج بیت اللہ سے واپسی پر خانہ کعبہ کے نقشہ پر طولا وعرضا اتنی ہی بڑی، اتنی ہی سادہ بغیر کسی مینار کے تعمیر کی تھی، اسی مسجد میں حضرت سید احمد شہیدؒ نے مجاہدین کو تربیت دی اور اسی جگہ سے جہاد کے لئے لشکر تیار کرکے روانہ ہوئے تھے، شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اسی مسجد میں لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگا کر راہ سلوک طے کیا اور جذبہء جہاد پیدا کیا تھا، خطب شہید کے نام سے خطبات کا جو مقبول عام مجموعہ جمعہ وعیدین کی نمازوں میں پڑھا جاتا ہے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے وہ خطبات اسی مسجد میں دئے تھے جو بعد میں شائع ہوئے، بہر حال حضرت مولانا محمد رابع صاحب اسی مسجد میں اعتکاف فرماتے ہیں تو ہمیشہ کی طرح حسب معمول حضرت مولانا واضح صاحب بھی ساتھ ہی بیٹھتے تھے، چند سال قبل حضرت مولانا مدظلہم کا ارادہ ہوا

کہ اس بار وہ نہیں بیٹھیں گے، تنہا مولانا واضح صاحب ہی بیٹھیں گے، اگرچہ سننے والوں کو بھی یہ بات عجیب سی لگی لیکن بہرحال یہ طے ہوگیا تھا، اب اسی کے مطابق تیاری ہوگئی، میں بھی وہیں حاضر تھا، عصر کی نماز کے بعد حضرت مولانا واضح صاحبؒ اپنے اعتکاف کی جگہ پر بیٹھ گئے، حضرت مولانا محمد رابع صاحب مسجد سے گھر جانے کیلئے ان سے ملنے لگے تو مولانا واضح صاحب نے کوئی بات ان سے کہی جسے میں سن نہیں سکا، غالباً اپنے انداز میں تنہائی کی شکایت کی ہوگی (یوں تو مسجد بھری ہوئی تھی مگر بات تو ان کی تھی) ان کی بات پر حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہم ہنستے ہوئے گھر کی طرف گئے اور چند ہی منٹ بعد واپس آکر وہ بھی اعتکاف میں بیٹھ گئے۔

مسجد سے گھر چند ہی قدم کے فاصلے پر ہے مگر وہاں اتنی دوری بھی اتنے سے وقت کیلئے بھی کہاں منظور تھی، اس عمر میں یہ حالت تھی تو بچپن اور لڑکپن میں تو یقیناً اور زیادہ موانست ہوگی، ندوہ میں تو ایک زمانے میں مشہور تھا کہ دونوں بھائی چلتے ہیں تو قدم بھی ایک ساتھ اٹھاتے ہیں، تقریباً پچھتر سال اسی انداز میں گزار دینا اور ابتدائے زندگی سے آخری لمحات تک اس میں سرمو فرق نہ آنا بہت بڑی بات ہے، حضرت مولانا رابع صاحب پچھہتر سال کی عمر میں بھی مولانا واضح صاحب کا اس طرح خیال رکھتے تھے جیسے چھوٹے بچے کا، کھانے پینے رہنے سونے، سفر وحضر غرض زندگی کے ہر مرحلہ اور ہر مسئلہ میں ایک ساتھ ایک زبان اور دو قالب ایک جان کی طرح بچپن سے لے کر آخر دم تک اس طرح ہمدم ہمراز ہمسفر ہم نفس ہم قدم رہنے والے ہر خوشی ہر غم کو پوری دیانت اور ایمانداری اور مکمل وفاداری کے ساتھ باہم شیئر کر کے اخوت کا قابل فخر عنوان اور بہترین مثال قائم کردینے والے دو عظیم بھائیوں کی اس انوکھی البیلی جوڑی کے بچھڑنے پر دیکھنے اور سننے والوں کے دل بھی بھر بھر آرہے ہیں، تو خود حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہم پر کیا قیامت گزر رہی ہوگی جو پہلے ہی کئی صدموں سے نڈھال ہیں، ہم جانتے ہیں کہ حضرت مولانا مدظلہم صبر واستقامت کے پہاڑ ہیں، اللہ تعالی نے حضرت کو جس قدر اعلی اور عظیم مقام پر فائز فرمایا ہے اسی کے مطابق تحمل کی طاقت اور ظرف بھی عطا فرمادیا ہے اور بقول خود حضرت مولانا جو ہم جیسے خدام کو حضرت تسلی دیتے ہوئے فرمایا کرتے ہیں کہ اس طرح کے ابتلاءات سے اللہ پاک درجات بلند فرماتے ہیں تو یقیناً اللہ تعالی حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم کے درجات رفیعہ کو دنیا وآخرت میں اور بھی بلند فرمانا چاہتا ہے، اسی لئے اس ابتلاء سے گذارا لیکن بہرحال اپنی تمام تر روحانی طاقت، تعلق مع اللہ، ایمانی مضبوطی اور اخلاقی بلندیوں کے باوجود وہ ایک انسان ہی ہیں، جن کے سینے میں ایک حساس اور گداز دل دھڑکتا ہے اور جو کسی کی بھی ادنی تکلیف پر تڑپ اٹھتا ہے آج اس دل پر کیا گزر رہی ہوگی، تعزیت کریں تو کس زبان اور کن الفاظ میں! زبان کھلنے سے پہلے آنسو رواں ہوجاتے ہیں مگر حضرت کو دیکھئے ان کو تو اپنے آنسو بھی پینے ہیں اور پورے حسنی خانوادہ کے بھی، جس کے وہ سربراہ اعلی ہیں کیونکہ رعایا تبھی صبر کرتی ہے جب بادشاہ صبر کرتا ہے، اور آپ کتنے خوش قسمت نکلے مولانا واضح رشید صاحبؒ اپنے ماموں جان مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نوراللہ مرقدہ کی آغوش تربیت میں علمی وفکری نشو ونما پائی۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم جیسے عظیم المرتبت بھائی کی محبت وشفقت کے سائے میں پوری عمر گزاری اور آخر میں انہیں کے کندھوں پر سوار ہوکر رفیق اعلی سے جاملے۔ رب کریم کی بے شمار نعمتیں اور لاکھوں لاکھ رحمتیں نچھاور ہوں آپ کے اوپر۔ اے کلمہ ءطیبہ کا ورد کرتے، اذان کی آواز کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت سنتے ہوئے دنیا کو روتا چھوڑ کر جانے والے حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحب۔

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

پیارے استاد حضرت مولانا واضح رشید حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض خصوصیات

سید خلیل حسنی ندوی (حضرت مرحوم کے عزیز پوتے) کے قلم سے

آج ایک ستارہ غروب ہوگیا جوظلمت وتاریکی میں قندیل کا کام کررہا تھا، وہ ستارہ دنیا میں حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے نام سے متعارف تھا۔آج لوگ اس کو یاد کررہے ہیں اس کے علمی کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے، اس کا ذکرایک ماہرادیب، نقاد، نامور صحافی کے طور پر کررہے ہیں، لیکن اس کی جونمایاں خصوصیات ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1- قرآن کریم سے بے انتہا شغف۔اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور بینائی کمزور ہوجانے کی صورت میں اس کی تلاوت سننا ان کے لیے روح کا درجہ رکھتا تھا تو یہ ادنی جھوٹ نہیں ہوگا، رمضان کے علاوہ ایام میں روزانہ دو پارے کا معمول تھا جس میں کسی بھی حال میں ناغہ ان کو برداشت نہیں تھا، حالات چاہے جیسے بھی ہوں، طبیعت میں چاہے جتنا اضمحلال ہو، فجر کی نماز کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کرنا یا سننا ان کے لیے فرض کا درجہ رکھتا تھا، مجھ سے اکثر پوچھتے تھے " کتنا قرآن کریم پڑھ لیتے ہو؟ قرآن کریم سے تعلق قائم کرلو! نجات وکامیابی تمہارا مقدر بن جائے گی''خاص کر فجر کے بعد قرآن کی بہت زیادہ تاکید کرتے تھے، کئی بار مجھ سے فرمایا کہ "حضرت شیخ سے جب سے تعلق قائم کیا، اس دن سے لے کر آج تک الحمدللہ قرآن کا ناغہ نہیں ہوا" اور یہ بات وہ شوق دلانے کے لیے فرماتے تھے اور یہ بات بھی بارہا مجھ سے کہی کہ "میرا معمول اسی وقت سے یہ بھی ہے کہ اگر فجر کی نماز کے معا بعد کبھی تلاوت نہ کرسکا، تو قلم اٹھانے سے قبل تلاوت ضرور کرتا ہوں یا سنتا ہوں۔

ان کو سورہ یٰسین، سورہ فتح، سورہ ملک، سورہ الحاقہ اور ایک سورت جس کا نام ذہن سے نکل رہا ہے یاد تھیں جن کا ان کے یہاں اہتمام تھا اور اس میں بھی تاحیات کبھی ناغہ نہیں ہوا، جوآپ کو قرآن کریم سناتا تھا اس کا احسان مانتے تھے اور اس کا حد سے زیادہ خیال فرماتے تھے، یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ وہ قرآنی تھے۔

2- مسجد سے ان کا تعلق کسی بھی تعلق والے پر مخفی نہیں، ہر حال میں مسجد میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے، کئی بار میں نے عرض کیا" آج ٹھنڈ بہت ہے، ہوا تیز چل رہی ہے، موسم سخت ہے آپ مہمان خانہ میں نماز ادا کرلیں، جواب میں فرماتے "قریب کی مسجد کو چھوڑ کر یہاں نماز کس منھ سے پڑھوں جب کہ میں جاسکتا ہوں اور تم مجھ کو مسجد جانے سے مت روکا کرو"

پاوں میں درد رہنے لگا تھا، گھٹنے کی تکلیف بڑھ گئی تھی، زیادہ چلنے پر سینہ میں بھی درد ہونے لگتا تھا لیکن اس وقت بھی مسجد جانا ترک نہیں کیا اور ہر نماز مسجد میں ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے، آخری دنوں میں فجر کو چھوڑ کر ہر نماز مسجد میں ادا کرتے تھے اور فجر کے ادا نہ کرپانے کا احساس بہت ہوتا تھا، مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد نفل عبادات میں مصروف ہوجاتے، نفلی عبادات کے بعد وہیں کچھ وقت کے لیے مراقب ہوجاتے، یہ چیز رمضان مبارک میں بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

3- حدیث شریف اور سنت سے وابستگی۔اختصاص آپ کا ادب تھا لیکن وابستگی حدیث شریف سے تھی، حدیث سے نسبت رکھنے والوں کا بہت بلند الفاظ میں تذکرہ کرتے اور اس سے تعلق قائم کرنے کی خاص تاکید فرماتے، مجھ کو ایک مرتبہ اسلامی معاشرہ پر چالیس احادیث جمع کرنے، ان کا ترجمہ کرنے اور تشریح کرنے

کا حکم دیا اور اس پر ایک نہایت وقیع مقدمہ تحریر کیا، ابھی کچھ دن قبل ان احادیث کو جمع کرنے کا حکم دیا جو "لا یؤمن" سے شروع ہوتی ہیں یا اس موضوع سے متعلق ہیں اور فرمایا" تمہارے نیک عمل کا ثواب مجھ کو ملے گا" اور فرماتے تھے" تقریر کیا کرو، دین کی بات دوسروں تک پہنچاؤ، اس سے خود بھی عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور کسی نے بھی اس پر عمل کر لیا تو تمہارے لیے صدقہ جاریہ ہے اور فرماتے تھے "تمہاری ہر بات احادیث شریفہ سے مزین ہونی چاہیے"

اسی طرح اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا، ہمیشہ مسواک کا معمول رہا، اسی کی برکت سے اخری وقت میں جب کہ سکرات کا عالم تھا خود بھی کلمہ کا ورد کرنے لگے اور پاس والوں کو بھی پڑھنے کی نصیحت کی، بارہا ایسا ہوا کہ میں موزے اتارنے لگا اور غفلت میں داہنی جانب سے نکالنے لگا تو فورا پیر کھینچ لیا اور فرمایا" بائین پیر سے نکالو" اور پہنانے میں بارہا ایسا ہوا کہ غفلت میں میں نے بائین پیر میں پہنانا چاہا تو فورا پیر کھینچ لیا کہ داہنے پیر میں پہناؤ۔

سنتوں کا استحضار بہت تھا، خاص کر اوّابین، چاشت کی رکعات، اس میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں کبھی ناغہ نہیں ہوا بلکہ اس کی تلقین کرتے تھے۔

3- صدقہ۔آپ کے یہاں صدقہ کا خاص اہتمام تھا، بسا اوقات ایسا لگتا تھا کہ سب کچھ لٹا دیں گے،* مجھ کو رقم دے کر فرماتے کہ "صدقہ کر دو" اور کبھی مجھ کو اپنے اوپر خرچ کرنے کے لیے رقم دیتے، تو میں عرض کرتا "میرے پاس ہیں" تو فرماتے "میں اس لئے دیتا ہوں کہ انفاق کی بڑی فضیلت ہے اور اپنوں پر انفاق کی اور زیادہ فضیلت ہے"

4-تواضع۔آپ تواضع کے عملی پیکر تھے، اس میں ادنی تصنع کی آمیزش نہیں تھی، یہی وجہ تھی کہ آپ کے تلامذہ کے دلوں میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی "من تواضع للہ رفعہ اللہ" کا عملی مصداق تھے، اس کے علاوہ نہ جانے کتنے اوصاف کے حامل تھے۔

انتقال سے ایک دن قبل معمول کے مطابق سورہ آل عمران مجھ سے سنی اور عام معمول سے ہٹ کر اس بار جب میں "متاع قلیل" پر پہنچا تو بے ساختہ بول اٹھے" کیا خوب کلام الٰہی ہے! کیا خوب اس کی تجلیات ہیں! کتنا زبردست اس کا ادب ہے!" متاع قلیل" چند دن کا مزہ اللہ کے دشمنوں کے لیے پھر تباہی، اور ایمان والوں کے لیے کامیابی کی بشارت لیکن ایک شرط کے ساتھ، اور وہ یہ ہے اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ۔فرمایا" کامیاب زندگی تو اللہ والوں کی ہے"اس وقت وہاں حضرت مولانا، اور حیدر آباد سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب جو مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہیں انجینئر عبد الرشید صاحب بھی مقیم تھے، سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی تلاوت ایک دن قبل سن کر دنیا سے تشریف لے گئے، اور ان دونوں سورتوں کے بارے میں ارشاد نبوی ہے: دو جگمگانے والی سورتیں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھا کرو، قیامت کے دن وہ اس حال میں آئیں گی جیسے وہ دو بادل یا دو سائبان یا پرندوں کے دو جھنڈ ہیں اور وہ اپنے پڑھنے والوں کا دفاع کریں گی"اسی سورت میں ایک آیت ہے "فاستجاب لھم ربھم الخ" یہ آیت ان دعاؤں کے بعد میں ہے جو اس سورت میں ہیں، حضرت مولانا نے ایک دن قبل ان قرانی دعاؤں کی سماعت کی، بینائی کی کمزوری کی وجہ سے ان کا سننے کا معمول تھا، تو'فاستجاب لھم" کو ان کے لیے فال نیک سمجھا جائے گا، یعنی ان کی مانگی گئی ساری دعائیں بارگاہ ایزدی میں قبول ہوں گی۔انشاءاللہ

اللہ تعالی آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، آپ کا حشر انبیاء کے ساتھ کرے، اپنی رؤیت سے آپ کو سیراب کرے اور وسقاھم ربھم شرابا طھورا کی شکل میں آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔آمین

طبت حیا وطبت میتا اللھم اغفرلہ وارحمہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الذنوب والخطایا کماینقی الثوب الأبیض من الد نس.

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

ایک تاثراتی تحریر

ڈاکٹر مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی
قاضی شریعت دارالقضاء، پھلت مظفرنگر

اصبح سویرے موبائل فون کی گھنٹی بجی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مؤقر استاد مولانا علاء الدین ندوی مدظلہ العالی کا فون تھا آپ نے یہ جاں کاہ خبر دی کہ ہم سب کے ہردل عزیز استاد عالم اسلام کے معروف ومقبول عالم دین حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا صبح اذان فجر کے وقت انتقال ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔خبر سن کر پورے وجود پر لرزہ طاری ہوگیا، اچانک وفات کی اطلاع کو دل ودماغ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا،لیکن موت برحق ہے یہی وہ حقیقت ہے جس کا انکار نہ کوئی صاحب ایمان کرسکتا ہے ،نہ غالی قسم کا کافر ہی اسے جھٹلانے کی جرأت کرسکتا ہے۔اس کا یقین خواہی نہ خواہی ہر کس ناکس کو کرنا ہی پڑتا ہے۔

صبح ہوتے ہوتے دن چڑھے تک ذرائع ابلاغ کی وساطت سے یہ خبر ملک وبیرون ملک جنگل کی آگ کی طرح کونے کونے تک پھیل چکی تھی، کیسا عجیب منظر تھا ایک سورج اگ رہا تھا اور ایک سورج کے ڈوبنے کی خبر عام ہورہی تھی۔

حضرت مولانا ایک بلند پایہ صحافی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے موجودہ معتمد تعلیمات، پندرہ روزہ صحیفہ "الرائد" کے رئیس تحریر، مجلّہ "البعث الاسلامی" کے شریک ادارت، رابطہ ادب اسلامی کے جنرل سکریٹری درجنوں عربی واردو کتابوں کے مصنف، مفکر، مدبر، مرشد، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے حقیقی بھانجے اور ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے چھوٹے بھائی اور مجاز بیعت وارشاد تھے۔آپ اس خانوادہ کے چشم وچراغ تھے جس کے بزرگوں کا قریۃ الصالحین پھلت سے تعلق بھی صدیوں پر محیط ہے، وہ کئی مرتبہ موقع بموقع پھلت تشریف لائے ۲۰۰۶ء میں داعی اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی کی والدہ محترمہ کی وفات کے موقع سے آپ کی آخری مرتبہ تشریف آوری ہوئی تھی۔

آپ کا نام نامی محمد واضح رشید حسنی ندوی بن سید رشید حسنی ندوی ہے، آپ کا تعلق ہندوستان کے اس خانوادہ سے تھا جو دائرہ شاہ علم اللہ ،تکیہ کلاں رائے بریلی میں آباد ہے، جس میں تسلسل کے ساتھ علماء، صلحاء، اہل اللہ، اصفیاء، اتقیاء، اہل دل ، باکمال اشخاص جنم لیتے رہے ہیں ،آپ اسی سلسلہ کی ایک زریں کڑی تھے، اور خانوادہ کے دیگر بزرگوں کی طرح آپ کو بھی اللہ پاک نے بہت ساری خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا، ۱۹۳۲ء میں تکیہ کلاں میں ولادت ہوئی۔ابتدائی تعلیم وتربیت میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ خیر النساء بہتر اور آپ کی خالہ امۃ اللہ تسنیم کا اہم کردار رہا، جہاں سے نمازوں کی پابندی، گفتگو وملاقات کے طور طریقے اور اخلاق و آداب کی تربیت حاصل ہوئی، پھر اپنے دونوں عظیم المرتبت ماموں ڈاکٹر سید عبدالعلی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے مشورہ سے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ابتدائی درجات میں داخلہ ہوا، حضرت مولانا عمران خان ندوی ازہری، مفسر قرآن مولانا محمد اویس نگرامی، عالمی شہرت یافتہ عربی زبان کے ادیب حضرت مولانا محبوب الرحمٰن ندوی ازہری، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہم اللہ کا دور پایا اور بالخصوص اول الذکر دونوں ماموں کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے، ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تخصص عربی ادب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کی عظیم عصری تعلیم گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے

انگریزی میں بی۔اے کیا اور بعد میں ایم۔اے بھی وہیں سے کیا، اس کے بعد آل انڈیا ریڈیو میں بحیثیت مترجم وانا ؤنسر ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۳ء تک کام کیا۔ جہاں سے آپ کے متعدد علمی وادبی مقالات ومضامین، کہانیاں اور تمثیلی ڈرامے دہلی اور دیگر مقامات کے ریڈیو اسٹیشنوں سے عربی میں شائع ہوئے، اسی عرصہ میں آپ نے سیاسیات اور عام زندگی پر اس کے اثرات کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ پھر ۱۹۷۳ء میں ریڈیو میں کام کرنے کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے اصرار پر واپس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ آ گئے، اور بحیثیت استاد ادب عربی ان کا تقرر ہوا، پندرہ روزہ الرائد کے ایڈیٹر مقرر ہوئے، ۲۰۰۰ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابہا کے عمید کے عہدہ پر فائز ہوئے، ۲۰۰۶ء میں حضرت مولانا سید عبداللہ عباس ندویؒ کے انتقال کے بعد ندوہ کے معتمد تعلیم بنائے گئے، المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی شعبہ ندوہ میں قائم ہوا تو اس کے ڈائریکٹر منتخب ہوئے اور تادم حیات استاد ادب کی حیثیت سے طلباء کی علمی سیرابی فرماتے رہے۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی کے سانحہ ارتحال سے دل بہت مغموم ہے، اہل ندوہ اور عالم اسلام ایک عظیم مفکر، ومربی اور ایک ماہر تعلیم سے محروم ہوگئے، خاندان نبوت کے اس چراغ کے بجھنے سے، ہزاروں دل رنجیدہ ہیں خصوصاً وہ لوگ جن کا مولانا سے قریبی تعلق تھا، مولانا نہایت ہی بلند اخلاق وکردار کے حامل تھے، آپ عربی زبان وادب کے ماہر، ناقد نیز موجودہ دور کے فکر اسلامی کے ماہرین میں سے تھے، عالم اسلام اور دنیا کے حالات پر گہری نظر رکھنے والے اور مغربی تہذیب، اوران کی سیاسی پالیسیوں کا ناقدانہ جائزہ لینے والے تھے، اردو، عربی، انگریزی تینوں زبانوں کے ماہر اور تینوں زبانوں کی صحافت پر گرفت رکھتے تھے، عربی زبان سے تعلق اور محبت کا یہ عالم تھا کہ درس بھی عربی زبان میں دیتے اور عربی زبان میں ہی اسٹیج پر بھی بات کرتے تھے مختصر جملے ارشاد فرماتے جو بہت مرتب ہوتے، آپ باقاعدہ تقریر نہیں کرتے تھے، اور اگر کرتے تو موضوع کا حق ادا کر دیتے تھے، پھلت میں ہمارے زمانہ طالب علمی کی بات ہمیں یاد ہے کہ جب ۱۹۹۶ء میں وہ اپنے برادر معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے ساتھ پھلت تشریف لائے تو جامعہ امام ولی اللہ اسلامیہ کے زیریں ہال میں پروگرام منعقد ہوا تو حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اردو زبان میں کافی طویل تقریر فرمائی، اس پر لوگوں کو تعجب ہوا اور اس وقت ہمارے اساتذہ میں چرچا ہوا تھا کہ مولانا صاحب بہت کم اردو زبان میں تقریر کرتے ہیں، اصل تو عربی میں ہی کرتے ہیں، پھر ندوہ کے زمانہ طالب علمی میں ہم نے خود اس بات کا مشاہدہ بھی کیا۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی یوں تو گوناگوں صلاحیتوں اور امتیازات کے مالک تھے لیکن اخفاء حال میں وہ بالکل یکتا تھے ہر چند کہ وہ فضل وکمال میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھے لیکن کبھی اپنے آپ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، خود نمائی کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا، آپ انتہائی منکسر المزاج، متواضع اور حیا وسادگی کے پیکر تھے، استغناء، وبے نفسی تو آپ کی فطرت وطبیعت کا حصہ بنی ہوئی تھی، خاموش طبیعت مگر ہر وقت فکر وتدبر میں ڈوبا ہوا ذہن، ذکر وعبادت کا ذوق، قرآن کی تلاوت کا شغف، شب بیداری، تہجد کا اہتمام اور اپنے رب کے حضور چپکے چپکے آہ وزاری، یہ وہ تمام خصوصیات وخصائل ہیں جو تا دم حیات ان کی پہچان بنی رہیں، زندگی بھر وہ قابل رشک ہی رہے، نفیس اس قدر کہ ہر وقت چہرہ شگفتہ وشاداب اور مسکراتا ہوا ہوتا، لباس ہمیشہ سفید کرتا پائجامہ چمکتا ہوا، سیاہ ٹوپی، میانہ روی کے ساتھ چلتا پھرتا فرشتہ نما انسان، وہ ایک بزرگ اور ولی صفت انسان تھے جو آپ کی شخصیت کا نمایاں حصہ ہے، جو انہیں دیکھتا، ملاقات کرتا یا سنتا تو ان کی سادگی اور مزاج کی نرمی کا دلدادہ ہوجاتا، ان کے کمالات وامتیازات کا قصیدہ خواں بن جاتا، یہی

وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت علماء وعوام ہر طبقہ میں مقبول رہی اور کیوں نہ ہوتی کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی رضائے الٰہی کو حاصل کرنے میں صرف کردی تو اللہ نے بھی عوام وخواص کے دلوں میں ان کی محبت بٹھادی تھی۔ **ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لهم الرحمٰن ودا۔**

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی سادگی، تواضع، اصول پسندی، انکساری، کم گوئی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، حضرت مولانا نے تقوی وپرہیزگاری کی زندگی بسر کی، وہ بے ضرر طبیعت کے مالک تھے، آج کی دنیا میں جس کی مثال ملنا مشکل ہے، ان کا حادثہ وفات اتنا بڑا ہے کہ اس خلا کے پر ہونے کے آثار سالوں تک نظر نہیں آتے، اتنا بڑا مصنف، مدبر، مفکر، ہوش مند قائد مشکل سے نصیب ہوتا ہے۔

حضرت مولانا کی اچانک وفات دینی، دعوتی، فکری، تعلیمی حلقوں کے لئے ایک بڑا حادثہ ہے، درحقیقت آپ کا حادثہ وفات کسی فرد یا خاندان کا نہیں بلکہ جس طرح حادثات انسان کی زندگی میں آتے ہیں کچھ حادثے تنظیموں اور جماعتوں کی زندگیوں میں بھی آتے ہیں آپ کا حادثہ وفات اسی نوعیت کا ہے، ان کا حادثہ وفات عالم اسلام کے لئے بڑا خسارہ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ندوۃ العلماء کی گزشتہ نصف صدی کے زمانہ میں کوئی بھی ندوی ان کے احسانات کا منکر نہیں ہوسکتا، کسی نہ کسی اعتبار سے اس نے حضرت مولاناؒ سے ضرور بالضرور استفادہ کیا ہے تو یہ غلط نہ ہوگا۔ جو طلباء یا فارغین حضرت کے قریب رہتے وہ مستقل اس بات کا مشاہدہ کرتے تھے کہ وہ طلبہ کی صلاحیتوں کو جلا دیتے اور سراہتے تھے، ان کی حوصلہ افزائی کرتے اور ان کے اندر خوداعتمادی پیدا کرتے تھے، کوئی طالب علم کیسی ہی ٹوٹی پھوٹی تحریر لے کر ان کے پاس جاتا وہ اس کی اصلاح فرماتے اور کچھ گھٹا کر یا بڑھا کر واپس لوٹاتے اس پر یکسر قلم نہیں پھیرتے تھے کہ جس سے دل شکنی ہو اور حوصلہ ٹوٹ جائے، اسی عمل میں ان کی پوری زندگی کھپ گئی، آپ نے اپنے مکمل دور میں جو نصف صدی پر مشتمل ہے کسی طالب علم کو ڈانٹا تک نہیں، تیکھی نظروں سے نہیں دیکھا، کسی کو مارا نہیں، برا بھلا نہیں کہا، کیا اس جیسی مثال آج کے دور میں مل سکتی ہے؟ آپ طالب علموں کے سارے مسائل کا حل مسکراہٹ ونرمی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

حضرت مولاناؒ کی ہمہ جہت خدمات یقیناً آب زر سے لکھنے لائق ہیں، عربی اور اردو میں درجنوں تصانیف وتالیفات، سیکڑوں مقالات اور لاتعداد مضامین آپ نے ورثہ میں چھوڑے ہیں جو ان کے گوہر بار قلم سے وجود میں آئے اور ان کے قرطاس وقلم سے تعلق کے غماز اور شاہد ہیں، ملک کے گراں قدر صدارتی ایوارڈ سے نوازے گئے، متعدد عالمی تنظیموں کے قابل قدر عہدوں پر فائز رہے، پوری دنیا میں لاتعداد شاگرد مختلف شعبہ ہائے زندگی میں سرگرم عمل ہیں جو ان کے قلم وزبان کے رہین منت ہیں اور ان کی حیات میں ہی ملک کی کئی جامعات میں آپ کی خدمات جلیلہ بالخصوص جدید عربی زبان میں گرانقدر خدمات پر ایم فل کے مقالات لکھے جاچکے ہیں، آپ نے جو علمی خدمات انجام دی ہیں اور طالبان نبوت کے لئے جو ورثہ چھوڑا ہے وہ یقیناً اس قابل ہے کہ اس پر تحقیقات کی جائیں تاکہ آنے والی نسلیں ان کے علوم و فنون سے استفادہ کرسکیں۔

اردو وعربی زبان میں ان کی متعدد تصنیفات وتالیفات اور تراجم ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

☆ **اردو تصانیف:**

۱۔ محسن انسانیت ﷺ
۲۔ سلطان ٹیپو شہید ایک تاریخ ساز قائد شخصیت
۳۔ مسئلہ فلسطین
۴۔ ندوۃ العلما ایک رہنما تعلیمی مرکز اور تحریک اصلاح ودعوت

۵۔نظام تعلیم وتربیت اندیشے،تقاضے اور حل

۶۔اسلام مکمل نظام زندگی حدیث نبوی کی روشنی میں

☆ عربی تصنیفات وتالیفات

۷۔أدب الصحوة الإسلامية

۸۔الدعوة الإسلامية و مناهجها في الهند

۹۔حركة التعليم الاسلامی فی الهند وتطور المنهج

۱۰۔تاريخ الأدب العربي (العصر الجاهلي)

۱۱۔من صناعة الموت إلى صناعة القرارات.

۱۲۔نحو نظام عالمي جديد

۱۳۔حركة رسالة الإنسانية

۱۴۔الإمام أحمد بن عرفان الشهيد

۱۵۔مصادر الأدب العربي

۱۶۔أدب أهل القلوب

۱۷۔المسحة الأدبية فى كتابات الشيخ أبي الحسن على الحسني الندوي

۱۸۔الشيخ أبو الحسن، قائدا حكيما

۱۹۔مختصر الشمائل النبوية

۲۰۔أعلام الأدب العربي الحديث

☆ اردو سے عربی تراجم

۲۱۔فضائل القرآن الكريم

للشيخ محمد زكريا الكاندهلوي

۲۲.فضائل الصلاة على النبي ﷺ.

للشيخ محمد زكريا الكاندهلوي

۲۳۔الدين و العلوم العقلية.

للشيخ عبد الباري الندوي

☆ اعزازات:

عربی زبان و ادب کی خدمات کے اعتراف میں ان کو صدر جمہوریہ ایوارڈ عطا کیا گیا۔

☆ عہدے اور مناصب:

ندوۃ العلماء لکھنؤ میں معتمد تعلیمات کے علاوہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے جنرل سکریٹری، مدرسہ فلاح المسلمین، تیندوا رائے بریلی کے ناظم اور دار عرفات کے نائب صدر تھے۔اس کے علاوہ بھی متعدد دینی وعلمی اداروں وتنظیموں کے سرپرست تھے، آپ ملک و بیرون ملک خاص طور پر مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، قاہرہ، عمان، لاہور ،تاشقند، آکسفورڈ یونیورسٹی، ریاض اور استانبول وغیرہ کے علمی، ادبی، دینی وتربیتی سیمیناروں میں شریک رہے۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری لمحات:

وفات والے دن حضرت مولاناؒ کے پاس موجود ان کے صاحبزادہ مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی وغیرہ کا بیان ہے کہ حضرت آخر وقت میں معمول کے مطابق تہجد کے لیے اٹھے، ٹھنڈے پانی سے وضو کیا اور وضو کے معا بعد طبیعت بگڑنا شروع ہوئی، پیٹ میں تکلیف اور درد کا احساس تھا لیکن جیسے ہی فجر کی اذان شروع ہوئی، اپنے فرزند مولانا جعفر سے کہا "قرآن پڑھو" اور خود کلمہ کا ورد شروع کیا حضرت کے پوتے اور ایک اور ساتھی نے بھی قرآن کی تلاوت شروع کی، اذان کے شروع ہوتے ہی کلمہ کا ورد شروع کیا اور اذان پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ روح ملا اعلی سے جاملی۔کلمہ کا ورد کرتے ہوئے اور قرآن کی تلاوت سنتے ہوئے حضرت مولاناؒ دنیا سے رخصت ہوگئے اور طاب حیاتہ و طاب مماتہ کی مثال پیش کرگئے۔

ہزاروں سوگواروں نے ندوۃ العلماء لکھنؤ اور تکیہ کلاں رائے بریلی میں نماز جنازہ ادا کی اور اس عظیم ہستی کو بعد نماز مغرب سپرد خاک کیا۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

وفات: ۱۶/ جنوری ۲۰۱۹ء مطابق ۹/ جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ بدھ کے دن آپ رحمہ اللہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

ذکر اس رشک کرّ و بیاں کا

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، آکسفورڈ یونیورسٹی

تو نے جس اشک پر نظر ڈالی
جوش کھاکر وہی شراب ہوا

سنہ 1973 میں ندوہ کے بام ودر ایک موہنی شکل وصورت سے آشنا ہوئے، جس سے کوئی شکل وصورت ملتی نہیں تھی، آنکھوں میں ایک جان بہار بس، جس کا ہمرنگ کوئی پھول چمن بھر میں نہ تھا، دارالعلوم کی فضائیں ایک آواز سے مانوس ہوئیں جس کا لہجہ منفرد تھا، اس میں نرمی تھی اور سکون تھا، اور اس میں عالمانہ سنجیدگی تھی، اور مفکرانہ وقار، نہ کوئی غرور، نہ تمکنت، نہ اظہار فضل وکمال اور نہ جبروت وطنطنہ، طلبہ اس ذہن ہندی ونطق اعرابی کے قران السعدین، اور اُس رمّاز رموز ادب عربی، ودقیقہ سنج معانیِ فکر اسلامی کے التقاء البحرین سے استعجاب میں تھے، اس ہمہ تن مہر ووفا کی گرمی صحبت سے مسحور تھے، جو اُن پر مادر مشفق سے زیادہ مہربان تھا، جس کا قلب مثال غنچہ تھا، اور زبان انبگیں تھی، وہ ہر ایک سے محبت وعزت سے پیش آتا، درسگاہوں میں چرچا تھا کہ کون طائر خوش الحان ہے جس کی نواؤں نے گوش کے ہوش اڑا دیئے، یہ کون ہے جس کے سکوت پر تکلم فدا، جس کی خاموشی نے وہ رازہائے سربستہ واسرار ناگفتہ فاش کئے جو اصحاب بیان و زبان کے لئے معمہ بنے ہوئے تھے، زاویہ نشینوں اور تکیہ گزینوں کی نگاہیں ششدر تھیں کہ یہ کون مرد باصفا ہے جس کی نگاہیں زمین پر اور اس کی پرواز سپہر بریں پر، جو تھا ہم عنان طائر لاہوتی، وہم سفر شمس وقمر، جو مجمعوں سے گھبراتا اور مداحوں سے دور بھاگتا، یہ کون نیک خصال ہے جو رشک کرّ وبیاں تھا اور محسود مقرباں۔

سنہ 1978 میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں میرا داخلہ کئی حیثیتوں سے میری زندگی کا ایک انقلابی موڑ ہے، جن کی تفصیل مناسب موقع پر بیان ہوگی، اس وقت صرف ایک بات کا ذکر مقصود ہے کہ ندوہ میں عربی زبان وادب کا ایک منفرد ماحول ملا، پابندی سے الرائد کے ہر شمارہ کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کی کوشش کرتا، الرائد میں سب سے زیادہ خود ایڈیٹر الرائد کی تحریریں ذوق وشوق سے پڑھتا، ان مضامین کا عمقِ فکر پلّے نہ پڑتا، ہر تحریر میں نئے الفاظ ہوتے اور نئی ترکیبیں نظر آتیں، انہیں ڈکشنری کی مدد سے حل کرنے کی کوشش کرتا، پھر بھی سمجھنے میں دشواری ہوتی، لیکن ہمت نہ ہارتا، بلکہ شوق بڑھتا ہی رہتا، آپ کی تحریروں کو سمجھنے میں دشواری کی وجہ اپنی کم مائیگی اور علمی سطح کی پستی تھی، اس قسم کی عربی سے نیا نیا سابقہ پڑا تھا، آپ کے طرز نگارش میں صحافت و ادبیت کی آمیزش تھی، اس میں بے ساختگی تھی اور آمد، آورد کا کوئی شائبہ نہیں تھا، سلاست آپ کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت تھی، آپ معانی میں اعتدال پسند تھے اور الفاظ کے مزاج شناس، فکر و زبان کے اعتبار سے آپ نے جس پایہ اور معیار کی صحافت دی، وہ قدر اول کی چیز تھی، اور اس معاملہ میں بہت کم آپ کے حریف تھے

اعتدال معانی ازمن مپرس کہ مزاج سخن شناختہ ام

مولانا اونچی کلاسوں میں پڑھاتے تھے، اس لئے دو سال تک نہ آپ سے پڑھنے کا موقع ملا، اور نہ ہی آپ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، آپ کو عام طور سے ایک بیگ ہاتھ میں لئے گردن جھکائے ہوئے آتے جاتے دیکھتا، کیسا پاکیزہ، آنکھوں کو تازگی اور دل کو گرمی بخشنے والا منظر ہوتا، سنہ 1980 میں جب کہ میں عالیہ رابعہ میں پہنچا میری قسمت کا ستارہ ایک بار پھر چمکا، اور خدائے برتر وبالا کے فضل سے میرے درجہ کی انشاء کی گھنٹی مولانا کے یہاں لگی، جس شخصیت کا دیدار اب تک دور سے کرتا تھا جس کی تحریروں کا سحر زدہ تھا، اس سے پڑھنے کا موقع کیا ملا، معراج ہوگئی، میں اس سے وہی مضمون پڑھ رہا تھا جو اس کا امتیاز خاص تھا، آپ کلاس میں جدید الفاظ وتراکیب کی تشریح کرتے،

اور زبان وادب کے نکتے سمجھاتے، اور طلبہ کی تحریروں کی تصحیح کا کام کلاس کے بعد اپنے وقت میں کرتے، اصلاح کا عجیب و غریب ملکہ تھا، کوشش کرتے کہ ہماری تحریروں میں زیادہ تبدیلی نہ آئے، بسا اوقات ہماری غلطیاں بہت بھونڈی ہوتیں، ان کو درست کرتے، لیکن نہ ان کا تذکرہ کرتے اور نہ ان کی طرف کوئی اشارہ کرتے، نہ کسی کو شرمندہ کرتے، اور نہ کسی پر اپنا احسان جتاتے، اپنے شاگردوں سے انتہائی تلطف اور دل دہی سے پیش آتے، بڑی شفقت اور غایت مہر ومحبت کا معاملہ کرتے، سچ بات یہ ہے کہ آپ کی ہر بات جدا تھی، چند مہینے ہی مشق کی تھی کہ آپ نے اپنی تصحیح کے بعد میرا ایک ترجمہ الرائد میں شائع کردیا، اور

کلاہ گوشہ دہقاں بہ آفتاب رسید

اپنی جولاں گاہ زیر آسماں سمجھا تھا، اس ہمت افزائی وحوصلہ انگیزی نے محنت کرنے کے جذبہ کو دوآتشہ کردیا، خضر خجستہ پا کیا ملا کہ راہ طلب کی منزلیں آساں ہوگئیں، اردو اور انگریزی خبروں اور تبصروں کے ترجمہ کرنے کا معمول بن گیا، اور ذوق فراواں و شوق منزل جاناں نے سفر پرمشقت کو خواب شیریں بنادیا:

در بیاباں گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں، غم مخور

دل بڑھانے کا یہ ملکہ بہت کم لوگوں میں نظر آتا ہے، مولانا سے قربت بڑھی، تو فارغ اوقات دفتر الرائد میں گزارنے لگا، جہاں مولانا کی باتیں سنتا، اخلاق وادب سیکھتا، اور عربی مجلّات و جرائد کا مطالعہ کرتا، آپ نے مجھ سے صرف وہی کام لئے جن میں میرا فائدہ تھا، کبھی مجھ سے اپنا کوئی ذاتی کام نہیں لیا، حالانکہ اگر مجھے اپنے کسی کام کا حکم کرتے تو میرے لئے اعزاز اور بے انتہا خوشی کی بات ہوتی۔

یہ گھٹی تو ترجمہ اور مضمون نگاری کی تھی، لیکن مولانا ساتھ ہی ہمیں جدید عرب ادباء سے متعارف کراتے، مصطفی لطفی منفلوطی، صادق الرافعی اور مصطفے سباعی وغیرہ کے اسالیب کی خصوصیات بیان کرتے، طٰہ حسین اور احمد امین کا مقابلہ کرتے، عالم عرب کی فکری، دعوتی اور ادبی تحریکوں کے ارتقاء پر روشنی ڈالتے، عالم عرب اور عالم اسلام کی سیاسی صورت حال کو سلجھے ہوئے انداز سے پیش کرتے، یہاں تک کہ سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد سے اس وقت تک کی سیاسی صورت حال ہمیں از بر ہوگئی تھی، عالم اسلام وعالم عرب سے متعلق مولانا کی تحلیلاتی گفتگوؤں نے اثر ڈالا، صاف لگتا کہ مولانا کے جگر میں سارے عالمِ عرب وعالم اسلام کا درد ہے، ان اسباق میں ہمارا ذہن وسیع ہوا، نئے آفاق کھلے، اور علم و فکر میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہوئی، عالم عرب کی ادبی وصحافتی دنیا ہمارے دماغوں میں محفوظ ہوگئی، کوئی پہلو غیر مانوس نہیں تھا، اس کے بعد جب بھی عربوں سے ملاقات ہوئی خود ان سے ان کی تاریخ اور ان کے ادب وشاعری پر گفتگو کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی، بلکہ بعض عرب اہل علم وادب کو اس تحلیل وتجزیہ پر انگشت بدنداں پایا، اور اپنی ہی نگاہ میں اپنا مقام بلند ہوا:

ترے حسن حیات افروز کو دیکھا ہے جس دن سے
بہت مجھ کو عزیز اس دن سے اپنی زندگانی ہے

مولانا ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کی ہوس اور حوصلہ کی دنیا محدود تھی، عام طور سے مدرسوں کے متعلق شکایت ہے کہ وہ میوزیم ہیں جہاں ماقبل التاریخ علوم پڑھائے جاتے ہیں، مولانا نے ہماری زندگی اور ہماری عقل کو ہمارے ماحول اور زمانہ سے مربوط کردیا، ان ہی معلومات کا فیض تھا کہ مغرب میں مجھے کبھی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی، آکسفورڈ یونیورسٹی کے بعض پروفیسروں نے برملا کہا کہ ندوہ کے فارغین کی معلومات یہاں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں، انہیں کیا معلوم کہ یہ سب کچھ جس شخصیت کا فیض تھا وہ اپنی شکل وصورت اور سیرت وکردار میں اس عہد کا انسان نہیں تھا:

غم کی تنہائی میں جب وہ خواب حسیں یاد آتا ہے
یوں ہی بیٹھے بیٹھے دل کو جانے کیا ہو جاتا ہے

مولانا سے قربت نے اثر دکھانا شروع کیا، آپ کی پاکیزگی

تواضع، اور کریمانہ اخلاق سے متاثر ہوا، پہلی بار ایسا انسان دیکھا جو غیبت نہیں کرتا، جو کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، بلکہ جو دوسروں کے متعلق کوئی منفی خیال نہیں رکھتا، جو کم آمیز وعزلت گزیں تھا، جو بلاضرورت بات نہیں کرتا، جو اپنی بڑائی نہیں کرتا، جو "در حدیث دیگراں" بھی خود کو ظاہر نہیں کرتا، جو کسی چھوٹے یا بڑے کو حقارت سے نہیں دیکھتا، جو غصہ نہیں ہوتا، جس کی ہنسی مسکراہٹ سے عبارت تھی، جو اپنے شاگردوں کا اولاد کی طرح خیال کرتا، جس کی صحبت سے ایسی انسیت محسوس ہوتی جو بیان سے باہر ہے، اس کے پاس سے اٹھنے کو دل نہ چاہتا، آپ کو ہر رنگ میں، خلوت و جلوت میں، کلفت ومسرت میں دیکھا، پرکھا اور کھرا سونا پایا، جس میں کھوٹ نام کو بھی نہ تھا، مختصر لفظوں میں وہ انسان کی شکل میں ایک فرشتہ تھا، ہم نے سلف صالحین کا دور نہیں پایا، لیکن ہمیں اس مقدس کارواں کے ایک عظیم فرد کی صحبت ارزانی کی گئی۔

بعد میں مولانا سے فکر اسلامی کے اسباق پڑھے، جس میں آپ کی جودتِ طبع کے جوہر کھلے، آپ کی بصیرت افروز، دلدوز اور جان سوز تدریس نے میرے بہت سے خیالات کو فرسودہ بنا دیا وہ گل افشانی گفتار کہ پورا درجہ ہمہ تن گوش ہوتا، ہم اس طرح بیٹھتے جس طرح گمشدگان حسن دوست بیٹھتے ہیں، ہمارے اندر طلب ہوتی اس فکر خرد افزا کی اور اس نغمہ روح پرور کی، زبان میں نرمی و روانی، اور لہجہ میں حلاوت وشیرینی، مولانا کا طریقہ استدلال نرالا تھا، مولانا کی منطق ہر منطق سے جدا تھی، ان اسباق نے قرآن و سنت کی تعلیمات کی بلندی عقل پر کھول دی، ان دروس کے بعد نہ کسی فلسفی کا رنگ چڑھا نہ کسی عقل پسند انسانی عقول وعلوم کی حدوں کا علم ہوا، آپ نے مغربی فکر اور جدیدیت کی حقیقت سے پردہ فاش کیا، عقلی بنیادوں پر ان کی کمزوری بے نقاب کی، میری عقل کے پردے اٹھنے لگے، حقائق صاف نظر آنے لگے، ہمت میں بلندی پیدا ہوئی، اور عمل واقدام کی طرف توجہ ہوئی:

لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا
جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

آپ کا مقام نگاہوں میں بہت اونچا تھا، آپ میرے قلب ونظر پر چھا گئے، آپ کی ذہنی اور اخلاقی صفات کا نقش دل پر گہرا ہوتا گیا، آپ کو میں نے چشم مجنوں سے نہیں، چشم ہوشمنداں سے دیکھا، لیکن مجھ پر اثر وہی ہوا جو چشم مجنوں سے دیکھنے والے پر ہوتا ہے، کوشش کرنے لگا کہ مولانا کو اپنا نمونہ بناؤں، کچھ چیزوں میں مولانا کی نقل کی، لیکن مولانا کی پیروی آسان کام نہیں، مولانا سے عربی زبان سیکھنے میں تو کسی قدر کامیاب ہوا، لیکن مولانا کے اخلاق نہ اپنا سکا، ان اخلاق سے مجھے آج بھی محبت ہے، ان کی اہمیت معلوم، لیکن ان کو اپنانا شاید زندگی کا مشکل ترین کام۔

مشرق ومغرب میں کتنے لوگوں سے علوم وفنون اخذ کئے، ان اساتذہ کی نقل میں دشواری نہیں محسوس ہوئی، لیکن وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی، مولانا کے اخلاق آج بھی بلندی کے اس منارہ پر نظر آرہے ہیں جہاں تک پہنچنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں:

کوئی حسیں حسیں ہی ٹھہرتا نہیں جگر
باز آئے اس بلندیِ ذوق نظر سے ہم

ندوہ سے آنے کے بعد جب بھی مولانا سے ملتا آپ کی بزرگی دل میں مزید پیوست ہوجاتی، آپ کی شخصیت میں عجیب جاذبیت تھی، ایک مقناطیسی قوت تھی، پاس بیٹھ کر سکون ملتا، باتوں سے عقل وروح کو غذا ملتی، ایسا اشتیاق ہوتا جیسے پیاسے کو آب شیریں کی تڑپ ہوتی ہے، میرے دل میں مولانا کے لئے ایسی جگہ تھی جو کوئی اور نہیں لے سکا، مشرق ومغرب میں ایسا کوئی دوسرا نہیں ملا، آپ نے بے خودی وبے خبری میں نہیں، بلکہ بہ ثبات ہوش وحواس مسحور کرلیا۔

آج جب کہ وہ رخصت ہوا ایک عالم ماتم کدہ بن گیا، اور اس نے سب کو سوگوار چھوڑ دیا:

یہ لٹی ہوئی سی بہاریں کیوں ہے، کہاں وہ جانِ بہار ہے
یہ چمن سے کون چلا گیا کہ کلی کلی کو فشار ہے

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

افراد ساز شخصیت: منہج تعلیم وتربیت

مولانا محمد فرمان نیپالی ندوی
(استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ (۱۹۳۳ھ - ۲۰۱۹ء) نے علم وعمل سے معمور زندگی گذاری، زندگی کا آغاز بھی علم سے ہوا اور انتہاء بھی علم پر ہوئی، ان کی وفات پر بلاشبہ عربی کا یہ محاورہ صادق آتا ہے کہ موت العالم موت العالم (ایک عالم کی موت پوری ایک کائنات کی موت ہے)، ان کے غم کو سب نے محسوس کیا، یہی وجہ ہے کہ عالمی سطح پر ان کی وفات پر تعزیت کا سلسلہ جاری ہے، اور ہر صاحب علم ان کی وفات پر گریہ کناں ہے، بلاشبہ وہ قول وعمل کے جامع تھے، بلکہ ان کی زندگی قولی سے زیادہ عملی تھی، وہ کام کو پسند کرتے تھے، اور کرتے رہنے کو زندگی تصور کرتے تھے: ابن درید نے کہا تھا:

انما المرء حدیث بعدہ
فکن حدیثا حسنا لمن وعی

(انسان اپنے جانے کے بعد صرف تذکرہ چھوڑ جاتا ہے، تو اپنے بعد والوں کے لئے اچھا تذکرہ بن جاؤ)

مولانا نے فراغت کے بعد اپنی زندگی کے تقریبا بیس سال اگر چہ ریڈیو میں گذارے، لیکن وہاں بھی علم سے دور نہیں رہے، واجبی کام کے ساتھ دہلی کی مشہور لائبریریوں میں جاتے، اور استفادہ کرتے، اس طرح ان کا مطالعہ تازہ اور جدید وقدیم نیز مستند معلومات کا جامع تھا، وہ علمی اور ادبی اسلوب سے بھی واقف تھے تو دوسری طرف صحافتی اسلوب سے باخبر تھے، ایک انکشاف ان کے ریڈیو نشریات کی ایک کلپ سے ہوا کہ وہ اسلوب خطابی پر گہری نظر رکھتے تھے، ان کا طرز القاء بڑا سلجھا اور سنجیدہ تھا، آواز کا زیر وبم، اتار چڑھاؤ اور سامعین کے ذوق ومزاج کے مطابق تھا، راقم کو مسجد ندوۃ العلماء میں نماز پڑھانے کی بھی سعادت حاصل ہے، اسی لئے ایک موقع پر فرمایا کہ آپ کی آواز مائک کے لحاظ سے معتدل ہوتی ہے۔

مولانا دہلی قیام کے زمانہ میں بھی اپنے تعلیم وتربیت کے مشن سے غافل نہیں تھے، بلکہ جس نہج پر آپ کی نشو ونما ہوئی تھی اسی نہج پر آپ ہر ایسے شخص کی تربیت کرتے جو آپ سے مانوس ہوتا یا قریب ہوتا، دار العلوم ندوۃ العلماء آنے کے بعد آپ کی تربیت اور تعلیم کا دائرہ وسیع ہوگیا، یہاں طلبہ کی خیر خواہی اور ان کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں آپ کو بڑا کمال تھا، جو آپ سے قریب ہوتا وہ قریب ہوتا چلا جاتا، راقم نے مسلسل درجہ میں تین سال پڑھا اور آپ کے اختصاصی موضوعات ہی آپ کے زیر تدریس تھے، عصر عباسی کی تاریخ، مصادر الأدب العربی، کتاب البخلاء اور الصحافۃ العربیۃ اور انشاء وتعبیر وغیرہ، درجہ میں معمول کے مطابق تدریس کا فریضہ انجام دیتے، آپ کے گھنٹے میں تدریس کا انداز کچھ اس طرح ہوتا کہ پہلے عبارت خوانی ہوتی، عبارت کی تصحیح کے بعد آپ موضوع کے مالہ وماعلیہ پر سیر حاصل بحث کرتے اور اس کو ایسا سہل اور آسان بنا دیتے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ذہن میں محفوظ ہوجاتا، دوران درس موضوع سے متعلق کتابوں کی بھی نشاندھی کرتے، جن سے موضوع کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی، بعض اوقات انہیں احساس ہوتا کہ طلباء متعلقہ کتابوں کی مراجعت میں سستی کریں گے تو کسی طالب علم کو مکلّف کرتے کہ وہ فلاں کتاب سے اس بحث کی تلخیص لکھ کر لائے، اس طرح چار ونا چار اس کتاب کی طرف رجوع کرنا پڑتا اور فائدہ کا دائرہ وسیع ہوتا۔

مولانا کی فکر یہ تھی کہ ندوۃ العلماء نے اپنے بنیادی مقاصد میں عربی زبان وادب پر خصوصی توجہ کا نظام بنایا ہے، اس لئے

یہاں کے طالب علم کی عربی زبان وادب پر پوری گرفت ہونی چاہئے، صرف بولنے کی حد تک نہیں، بلکہ اس کے رموز واسرار سے بھی واقف ہونا چاہئے، چنانچہ وہ عربی انشاء وتعبیر پر خود بھی توجہ دیتے اور دوسرے اساتذہ کو بھی آمادہ کرتے، طلباء کی انشاء کی کاپی چیک کرنے پر بہت زور دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہمارے زمانہ میں طلباء کی تعداد کم تھی، اس لئے کاپیوں کے چیک کرنے میں بڑی آسانی تھی، لیکن اب جب کہ طلباء زیادہ ہوگئے ہیں تو اس میں دشواری پیش آرہی ہے، لیکن اس دشواری کو بھی خوش اسلوبی سے حل کرنا چاہئے، اور طلباء کو زیادہ سے زیادہ وقت دے کر ان کی فنی کمزوریوں کو دور کرنا چاہئے، وہ فرماتے کہ خود جب میں انشاء اور تعبیر پڑھاتا تھا تو طلباء کی کاپیاں درجہ کے باہر دیگر اوقات میں چیک کرتا تھا، علیا اولی میں ہمارے یہاں انشاء کا گھنٹہ تھا، کبھی پہلے سے کسی عبارت کا ترجمہ کرنے کے لئے کہتے، اور کبھی کسی عنوان پر مضمون لکھنے کی فرمائش کرتے، اور کبھی بروقت کوئی موضوع دیتے اور انشائیہ لکھنے کی تاکید کرتے اور درجہ ہی میں لکھواتے، اس طرح طلباء کی خفتہ صلاحیتیں منظر عام آتیں۔ ایک مرتبہ ہمارے یہاں ایک عنوان دیا: آپ خالی وقت کیسے گذاریں (كيف تقضي أو تملأ الفراغ؟) طلباء نے طبع آزمائی کی، اس عنوان پر اپنے خیالات چند منٹ میں لکھ کر پیش کئے تو کسی کو سراہا اور کسی کی اصلاح کی۔ یہ درجہ سے متعلق بات ہوئی۔

بعض طلباء جو مولانا سے بہت زیادہ ہم آہنگ تھے وہ الگ سے بھی انشاء اور تعبیر چیک کراتے تھے، اس کی ترتیب یہ تھی کہ مولانا دو کاپیاں بنواتے: ایک کاپی اصلاح کے لئے لے لیتے، اور دوسری طالب علم کے پاس ہوتی، پھر جب پہلی کاپی کی اصلاح ہوجاتی تو دوسری رکھ دی جاتی، اصلاح وتربیت کا یہ عمل خاموشی سے انجام پاتا، اس طرح آپ کی میز پر کئی کاپیاں جمع ہوجاتیں، اور آپ اپنے خالی گھنٹے میں ان کاپیوں کی اصلاح کرتے، اور نئی انشاء بھی دے دیتے، طلباء کے لئے مشکل مرحلہ یہ ہوتا کہ کس طرح کی انشاء بنائیں، اگر اس سلسلہ میں استاذ کی رہنمائی ہوتی ہے تو ان کے لئے بڑی آسانی ہوتی ہے۔

مولانا انشاء اور ادب کے حوالہ سے اساتذہ کو بھی وقتاً فوقتاً نصیحت کرتے رہتے، اور زیادہ سے زیادہ وقت دینے کی تاکید کرتے، اپنے بارے میں نقل کرتے کہ مجھے مولانا محمد عمران خان ندوی اور مولانا محبوب الرحمٰن ازہری سے عربی کا ذوق ملا، انہوں نے عربی اول میں مجھے عربی زبان پڑھائی، ان کا طرز براہ راست عربی سکھانے کا تھا، فرماتے تھے کہ جب تک عربی کی محبت نہیں ہوگی عربی زبان نہیں آسکتی، مزید فرماتے کہ ندوہ کا امتیاز عربی زبان میں ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ متعدد پہلوؤں سے اس پر غور کیا جائے، متنوع پروگرام کئے جائیں، بار بار راقم کو بھی تاکید کی کہ طلباء میں عربی کی صلاحیت پیدا کیجئے، وفات سے پہلے غالباً جنوری کی پانچ تاریخ ہوگی، النادی کے نظام کو مستحکم بنانے کی تلقین کی، وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے ابتدائی تدریسی دور میں دس دس لڑکوں کی ایک ٹیم بنائی تھی، وہ ٹیم ایک ہفتہ میں ایک موضوع پر اظہار خیال کرتی اور حاصل مطالعہ پیش کرتی، اس طرح طلباء میں علمی ترقی کے مواقع سامنے آتے، اس طریقہ کو جاری کرنے کی ضرورت ہے، مولانا فرماتے تھے کہ میں جب مختارات پڑھاتا تھا تو ترجمہ وتشریح کے علاوہ سبق کا خلاصہ عربی زبان میں طالب علم سے بیان کرواتا تھا، اس سے طلباء میں عربی کی مشق ہوتی، اور بولنے کی صلاحیت پیدا ہوتی، نئے الفاظ اور جملے لکھنے کے لئے ان سے کہتا، ماشاء اللہ اس وقت کے طلباء نے اس کی پابندی کی تو ان کو فائدہ ہوا، مولانا نے حماسہ اور ادب عربی خاص طور سے اشعار عرب پڑھانے والوں کو تاکید کی اور بار بار کہتے تھے کہ جب تک قبائل سے واقفیت نہیں ہوگی اس وقت تک عربی شعر فہمی کا ذوق پیدا نہیں ہوگا، فرماتے کہ مدارس میں صرف عربی اشعار کے ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے، جس سے طلباء صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، وہ جریر کے مشہور شعر:

فغض الطرف انک من نُمیر
فلا کعبا بلغت ولا کلابا

(اپنی نگاہ پست رکھو، کیونکہ تمہارا تعلق قبیلہ نمیر سے ہے، نہ تم کعب کے مرتبہ کو پہنچ سکتے ہو، نہ کلاب کے) کے سلسلہ میں فرماتے کہ جب تک طالب علم قبیلہ کعب اور کلاب سے واقف نہیں ہوگا، اس وقت تک شعر کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتا ہے، اسی سلسلہ میں مجھے بھی تاکید کی کہ اس پر زور دیں، میں نے انہیں کے مشورہ سے باب الأدب من دیوان الحماسۃ کو ایڈیٹ کیا اور قبائل کا تعارف کرایا، دیگر ابواب پر کام جاری ہے، دعا ہے کہ اللہ اسے مکمل کرنے کی توفیق دے۔

دار العلوم میں علیا درجات میں پڑھنے والے طلباء کو ایک مقالہ سو صفحات کے اندر لکھنا ہوتا ہے، وہ ایک مستقل موضوع ہوتا ہے، اس پر سو نمبر متعین ہوتے ہیں، طلباء اپنے اپنے ذوق کے مطابق عناوین لیتے ہیں، مولانا کے پیش نظر یہ بات تھی کہ جو طالب علم جس فن کا ہے اسی سے متعلق عنوان لے، میں نے اپنے اختصاصی موضوع سے الگ ایک عنوان لیا، تو مولانا نے اس کو بدل دیا، اور کہا کہ وفیات الأعیان ابن خلکان کی مشہور کتاب ہے، اس کا مطالعہ کرو، میں نے مولانا کی نگرانی میں پوری کتاب بحمد اللہ پڑھی، پھر مولانا نے اس کا موضوع طے کیا: المواد العلمیۃ والأدبیۃ فی کتاب وفیات الأعیان (وفیات الأعیان کے علمی اور ادبی مواد کا جائزہ) بحمد اللہ یہ مقالہ ڈھائی سو صفحات میں مکمل ہوا۔ دار العلوم کے نصاب میں وفیات الأعیان کا انتخاب داخل ہے، طلباء فوٹو کرا کے پڑھتے ہیں، لیکن طلباء کو دشواری کا سامنا تھا، اس لئے اس کی ایڈیٹنگ کا مشورہ ہوا، تو مولانا نے نہ صرف اس کی تائید کی، بلکہ وفات سے چند روز قبل اس کا مقدمہ بھی تحریر فرمایا، ماشاء اللہ یہ کتاب حضرت ناظم ندوۃ العلماء اور حضرت مہتمم صاحب کے کلمات سے مزین ہو کر منظر عام پر آرہی ہے، یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ مولانا کی تعمیری شخصیت کے بے شمار نمونے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

کس درجہ سوگوار ہیں یہ صحن و بام و در

آہ و فغاں زبان ادب سے نکل گئی
ہستی ادب کی خاک کے پیکر میں ڈھل گئی
تیرے بغیر شہرِ سخن سوگوار ہے
تو کیا گیا جگر پہ کوئی تیغ چل گئی
آئینۂ خیال سے تصویر گم ہوئی
ہستی تری وجود کے در سے پھسل گئی
کس درجہ سوگوار ہیں یہ صحن و بام و در
دامن پکڑ کے مادر علمی مچل گئی
اب دے گا کون بزم میں ذوق سخن کی داد
نطقِ زباں کی بزم میں ہیئت بدل گئی
اصلاح کس سے لیں گے اب طوطیان بزم
گردش فلک کی دیکھئے کیا چال چل گئی
اب کون مسکرائے گا نقص بیان پر
اے نقد، اے ادب! تری شمع پگھل گئی
اب خوف کس کا ہوگا بلیغ اللسان کو
گلشن میں آنکھ نرگس مستانہ مل گئی
علم و ادب جبیں ترے در پر جھکائے ہیں
اے الوداع جو خاک میں اک ذات مل گئی
کیوں کھو گئی ہے آج یہ رونق حیات کی
اٹھ کر گیا ہے کون یہ رُت ہی بدل گئی
مدفن کے ذرہ ذرہ پہ اب تک خمار ہے
ساقی تری شراب جو مٹی میں مل گئی
اے دل بتا کہ شہر میں کیا حادثہ ہوا
عرفاںؔ کے لب سے آہ جو یک دم نکل گئی

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

اوران کی بعض اہم تصنیفات

ایک مختصر تعارف

مولانا مطیع الرحمٰن عوف ندوی
استاذ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا سید واضح رشید ندوی نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جہاں ایک طرف حضرت سید احمد شہیدؒ کے جہاد اور جذبۂ قربانی کی داستانیں گردش کررہی تھیں، تو دوسری جانب خالص اسلامی فکر کی اشاعت اور کلمہ حق کے اعلاء کی سرگرمیاں جاری وساری تھیں، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مرتب کردہ عقائد اس خانوادہ کے بچہ بچہ کے رگ وپے میں جاگزیں تھے تو شاہ علم اللہ کا زہد وتقویٰ اور اخلاص وللّٰہیت ان کا نشانِ وامتیاز تھا، پھر ندوۃ العلماء کی فضا میں انھوں نے ایک طرف عربی زبان وادب پر اساطین علم وفن سے دسترس حاصل کی تو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے آغوش تربیت میں احسان وسلوک، اخلاق وتواضع، عبدیت وبندگی کے ساتھ ساتھ فکر اسلامی کے احیاء اور مغرب کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کا ملکہ حاصل کیا، چنانچہ مولانا مرحوم کے اشہب قلم سے جو تحریریں منظر عام پر آئیں وہ برصغیر کیا عالم اسلام میں انفرادیت کی حامل ہیں، انھوں نے پوری بے باکی کے ساتھ مغرب کے غلط افکار وعزائم کو واشگاف کیا اور صحیح اسلامی فکر کا تعارف کرایا اور یہ ثابت کیا کہ اسلامی نظام ہی دنیا کی ناؤ کا کھیون ہار ہوسکتا ہے، انھوں نے ادب برائے ادب کے فرسودہ نظریہ کو ادب برائے تعمیر کے قالب میں ایک اچھوتے اور البیلے انداز میں پیش کیا اور ندوۃ العلماء کی فکر کی بے مثال ترجمانی کی۔

مولانا مرحوم نے پوری زندگی درس وتدریس اور تالیف و ترجمہ میں گذاری، وہ انتہائی خاموش طبع تھے لیکن فکر کی جولانی موجزن تھی، وہ ندوۃ العلماء کی فکر کے ترجمان تھے، انھوں نے مستشرقین اور یورپی مصنفین کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کیا تھا انھوں نے مغرب کی منصوبہ بندی سے دنیا کو واقف کرایا اور اس کے مضرات سے آگاہ کیا، اس موضوع پر مرحوم کی کئی کتابیں ہیں، اس کے علاوہ انھوں نے ادب عربی کی تاریخ کو اپنا موضوع بنایا اور ادب برائے ادب سے نکل کر ادب برائے تعمیر انسانیت کو مشن بنایا، انھوں نے محاضرے دئے، جامعات وکلیات میں مقالات پیش کئے، سیمیناروں میں شرکت کی اور مختلف موضوع پر اپنی فکر کو عام کرتے رہے، مولانا نے بہت سی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا، اس موقع پر ہم مولانا مرحوم کی چند اہم کتابوں کا مختصر تعارف پیش کررہے ہیں تاکہ نسلِ نو مولانا کی خدمات اور کارناموں سے واقف ہوسکے، اور ان کتابوں کے مطالعہ سے مستفید ہو، اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

الی نظام عالمی جدید:

یہ مولانا واضح رشید حسنیؒ کی بڑی وقیع تصنیف ہے اور عالم اسلام میں بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، اس کتاب میں مولانا نے نیو ورلڈ آرڈر سے متعلق تقریباً تیس سال کے دوران تحریر کئے گئے مضامین ومقالات کو جمع کردیا ہے، اس عرصہ میں عالم اسلام بہت سے انقلابات اور مسائل ومشکلات سے گزرا، اس میں بعض مقالات میں مغربی تہذیب اور اس میں عدم توازن کے موضوع پر بھی گفتگو شامل ہے پھر دنیا کو اس اضطراب سے نکالنے کے لئے اخیر میں حل پیش کیا گیا ہے، یہ کتاب ۲۰۰۷ء مطابق ۱۴۲۸ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی، کتاب پر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کی تقدیم ہے، مولانا سید واضح رشید کے قلم سے کلمۃ بین یدی الکتاب ہے

جس میں کتاب کا تعارف ہے، اور مولانا نے لکھا ہے کہ میں نے براہ راست انگریزی مواد اور مستشرقین کی کتابوں اور صحافتی رپورٹوں سے فائدہ اٹھایا ہے، اس کے بعد کلمۃ تعریف وتقدیم کے عنوان سے مولانا نذرالحفیظ ندوی عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ و آدابھا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تحریر ہے، یہ کتاب ۳۲۳صفحات پر مشتمل ہے، اور المجمع الاسلامی العلمی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے، اخیر میں ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی، سابق صدر شعبہ عربی وفارسی، الہ آباد یونیورسٹی نے کتاب کا مختصر تعارف کرایا ہے۔

من قضایا الفکر الاسلامی. الغزو الفکری:

یہ مولانا کی ایک فکری اور تحقیقی کتاب ہے، جس کو دارالرشید نے ۲۰۱۶ء میں شائع کیا ہے، کتاب پر مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی کا کلمہ الناشر ہے، صاحب کتاب مولانا سید محمد واضح رشید ندوی کے قلم سے کلمۃ بین یدی الکتاب ہے، مولانا نے اس موضوع کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی ہے، انھوں نے تحریر کیا ہے کہ یہ کتاب ندوۃ العلماء کے شعبہ المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی میں پیش کردہ مقالات کا مجموعہ ہے، جس کا دائرہ تقریباً بیس سال پر محیط ہے، ان مقالات میں یورپ کی تاریخ، اس کی بیداری اور افکار و تحریکات اور سیاسی نظام جیسے سرمایہ دارانہ نظام وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، معہد الدعوۃ کے طلبہ کو تاریخ اور اس کے افکار و نظریات سے واقفیت کی غرض سے یہ مقالات پیش کئے گئے ہیں۔

کتاب پر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رئیس ندوۃ العلماء کا مبسوط مقدمہ ہے جس میں انھوں نے نفس موضوع پر بحث کی ہے اور اس طرح کی کتابوں کی موجودہ دور میں ضرورت اور افادیت کو ثابت کیا ہے، کتاب کے تعارف اور تقدیم کے عنوان سے ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، آکسفورڈ لندن کی بھی تحریر شامل ہے، جو ایک عرصہ سے مغرب کی فضا میں صبح وشام گذار رہے ہیں، انھوں نے کتاب اور صاحب کتاب کے تعارف میں طبعی میلان کو قلم کی جولانی کے حوالہ کردیا ہے اور جذبات میں لگام گویا ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے، اور اپنے استاد کا تعارف ایسے دلنشیں اور شگفتہ اسلوب میں کیا ہے کہ شاید اس سے بہتر ممکن نہ ہو، کتاب دوسوصفحات پر دیدہ زیب طباعت سے آراستہ ہے۔

تاریخ الادب العربی. العصر الجاھلی:

جیسا کہ نام سے عیاں ہے کہ یہ کتاب ادب عربی کے جاہلی دور کی تاریخ پر مشتمل ہے، اس کو موسسۃ الصحافۃ والنشر ندوۃ العلماء نے طبع کیا ہے، ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں اس کا پہلا اڈیشن طبع ہوا، اس کے بعد اس کے کئی اڈیشن نکلے، اس کتاب کو برصغیر کے علاوہ بلاد عربیہ کی جامعات اور یونیورسٹیوں میں شریک نصاب درس کیا گیا۔

کتاب پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا مقدمہ ہے، مولانا نے کئی صفحات میں اس موضوع پر زریں حروف سے تاریخ ولسانیات کے موضوع کے ساتھ ساتھ اس فن کی اہم کتابوں کا ذکر کیا ہے، اس مقدمہ کے علاوہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کا بھی اس پر مقدمہ ہے، انھوں نے بھی اس فن پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور اس کتاب کی ترتیب واشاعت کی ضرورت واضح کی ہے، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے بین یدی الکتاب کے تحت تفصیلی بحث کی ہے، ۱۹۴رصفحات پر مشتمل یہ کتاب اپنے فن میں ممتاز کتاب ہے، اسلوب بھی علمی، تحقیقی اور درسی ہے، امثلہ واشعار کے نمونوں نے کتاب کی افادیت کو دوچند کردیا ہے، مولانا کی دیگر کتب میں اس کتاب کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ یہ مختلف جامعات ویونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہے اور طلبہ اور اسکالرز کی ایک بڑی تعداد اس سے مستفید ہورہی ہے۔

اعلام الادب العربی فی العصر الحدیث:

یہ کتاب موجودہ دور میں عربی زبان وادب کے نامور علماء و ادباء کے تذکرہ پر مشتمل ہے، اس کو ۲۰۰۹ء میں دارالرشید لکھنؤ نے شائع کیا ہے، یہ کتاب مولانا کی اس سے قبل شائع ہونے والی

تاریخ ادب عربی (عصر جاہلی اور عصر عباسی) کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اعلام وشخصیات کے علاوہ اس کتاب کے پہلے باب میں معاصر ادب عربی کے خصائص اور بحث وتحقیق کے مختلف دریچوں سے بحث کی گئی ہے، دوسرا باب معاصر ادباء کی سوانح پر مشتمل ہے، اور تیسرا وآخری باب اسلامی ادباء ومصنفین کے تذکرہ پر مشتمل ہے، عرض ناشر مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی کے قلم سے ہے جب کہ بین یدی الکتاب کے تحت خود صاحب کتاب نے کتاب کے خصائص اور اس کو مرتب کرنے کی ضرورت کو بیان کیا ہے، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا مقدمہ زینت کتاب ہے، انھوں نے بھی اس موضوع کی فنی وتاریخی حیثیت کو اجاگر کیا ہے، کتاب میں مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قیمتی پیش لفظ ہے، انھوں نے ادب کے مندرجات، اس کے مصالح اور انسانی زندگی پر اس سے پڑنے والے اثرات پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور مغربی ادباء کی اسلام کے خلاف ذہن سازی، اور اسلامی ادباء کی اصلاحی وادبی خدمات کے علاوہ ندوۃ العلماء کے ذریعہ عربی زبان وادب کی خدمات کو عیاں کیا گیا ہے، کتاب تین سو چھتیس صفحات پر مشتمل ہے، اس میں جن اہم شخصیات کا تذکرہ ہے، ان میں مفتی محمد عبدہ، مصطفیٰ لطفی منفلوطی، مصطفیٰ صادق رافعی، امیر شکیب ارسلان، محمد حسین ہیکل، عباس محمود عقاد، طٰہٰ حسین، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، سید قطب شہید، محمد الغزالی، استاد علی الطنطاوی، مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی، انور الجندی اور محمد قطب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مصادر الادب العربی:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب عربی ادب کے مصادر و مراجع پر مشتمل ہے، اس کو ۲۰۰۴ء میں سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی نے شائع کیا تھا، اس کے بعد متعدد ایڈیشن نکلے، میرے سامنے دارالرشید کا ۲۰۱۲ء کا نسخہ ہے، عرض ناشر کے علاوہ مصنف کے قلم سے اس ایڈیشن پر کتاب کا تعارف ہے، جس میں طبع اول کے مقابلہ میں اضافہ شامل ہے، مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے کتاب کا مقدمہ تحریر کیا ہے، اور مصادر ومراجع کے سلسلہ میں فنی بحث کے علاوہ اس کتاب کے امتیازات وخصوصیات کو بطور خاص تفصیل سے پیش کیا ہے۔

انھوں نے اس کتاب کو تین اہم اور مرکزی خصوصیات کا حامل تسلیم کیا ہے، ادب، فکر، اور الدعوۃ الی الاسلام من جدید، جو دراصل ندوۃ العلماء کا شعار اور اس کی فکر ہے، کتاب پر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا مقدمہ ہے، عربی زبان وادب کے مضمرات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے ادب کے مدارج کا بھی ذکر کیا ہے، اور اس دور میں اس طرح کی کتابوں کی ضرورت اور افادیت کو اس مقدمہ میں بیان کیا ہے، پوری کتاب ۱۹۲/ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں البیان والتبین لابن الجاحظ کے تحت ایک ایک جزء کا جائزہ لیا گیا ہے، اور کتاب پر نقد وتبصرہ کے ساتھ جاحظ کے افکار ونظریات اور مفردات پر بھی بحث کی گئی ہے، اس طرح دیگر مصادر پر بھی تحریریں ہیں، اور اس باب میں کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا گیا ہے۔

ادب اھل القلوب:

موضوع ہی سے واضح ہے کہ مولانا نے اس کتاب میں اپنے فکر ووجدان کے ان حسین تاروں کو چھیڑا ہے جس سے اس خاندان کا کوئی فرد بے نیاز نہیں رہا، اور کس طرح انھوں نے آہ سحر گاہی میں ھوالحق کی صدا بلند کرنے والوں کے ملفوظات ومکتوبات، جواہر پاروں کو سمندر کے موتیوں کی طرح چنا ہے، اور ان کو اس طرح یکجا کر دیا ہے جیسے شب تاریک میں آسمان پر تاروں کے جھرمٹ نظر آتے ہیں، امام حسن بصری، بشر الحافی، حارث المحاسبی، امام ابوحامد الغزالی، الشیخ عبدالقادر جیلانی، عبدالرحمٰن ابن جوزی اور شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات ومکتوبات سے ادب کے شہ پاروں کو چن کر یہ گلدستۂ حکمت قارئین کی نذر کیا گیا ہے، اس کتاب کی اشاعت کی سعادت مکتبہ ابوالحسن علی دھلی کو ملی،

۲۰۰۵ء میں پہلا ایڈیشن طبع ہوا، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا فاضلانہ مقدمہ اور صاحب کتاب کے قلم سے موضوع کتاب پر ایک مفصل بحث ہے، جو کتاب کے موضوع کا احاطہ کرتی ہے، پوری کتاب ۱۸۱ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کے اخیر میں خاتمہ کے عنوان سے ایک وقیع تحریر ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کا ارادہ تھا کہ اس کے مزید اجزاء طبع ہوں اور ان کا استفادہ عام ہو، لیکن مشیت ایزدی سے ایسا نہ ہوسکا۔ اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کے اسباب مہیا فرمائے۔

تاریخ الثقافة الاسلامیه:

اس کتاب میں اسلامی تہذیب وتمدن کی تاریخ ہے، جس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۴ء میں دارالرشید سے چھپا، اس کتاب کو بھی جامعات اور کلیات میں شریک درس کیا گیا، اور بڑی قدر ومنزلت کی نگاہوں سے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اور اس کا اردو ترجمہ بھی اسی ''دارالرشید'' سے طبع ہوکر مقبول عام وخاص ہوا، کتاب کے تعارف میں صاحب کتاب نے مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے، اور کتاب کی ضرورت کو بیان کیا ہے، نیز مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اس پر قیمتی پیش لفظ تحریر فرمایا ہے جو موضوع اور کتاب کی قدر ومنزلت کو دوبالا کرتا ہے، مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری نے کتاب کی تقدیم میں موضوع کتاب سے فنی وتاریخی بحث کی ہے، اور بہت سے حقائق کو پیش کیا ہے، کتاب بڑی تقطیع کے ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، مولانا نذرالحفیظ نے تحریر کیا ہے کہ ''وأخیر لا آخرا ان هذا الكتاب بمثابة جندی، مرابط علی ثغور الاسلام الحساس ومنارة نور فی ظلمات البر والبحر''

الرحلات الحجازية ومناهج كتابها فی العصر الحديث

حجاز مقدس کے سفرنامے دنیا کے دیگر خطوں کے مقابلہ میں عقیدت وتقدس اور اکرام وتعظیم کے حامل ہوتے ہیں، چنانچہ بے شمار مؤرخین، سیاحوں، ادباء، شعراء اور صلحاء نے اپنے سفر حجاز کے تأثرات کو عقیدت مندانہ تحریر کیا ہے، مولانا نے اس کتاب میں انہیں سفرناموں کا تعارف کرایا ہے، جس میں ادب الرحلہ، عربوں کے نزدیک سفر، رحلہ خیالیہ، رحلۃ حجازیۃ جیسے عناوین پر مضامین تحریر کرنے کے بعد شیخ علی طنطاوی، مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی، محمد امین شنقیطی، علامہ رشید رضا مصری، امیر شکیب ارسلان، عبدالوہاب عزام بک، عباس محمود عقاد، ڈاکٹر احمد حسن زیات، یوسف ادریس، عائشہ بنت عبدالرحمٰن الشاطی محمود غنیم، بہاء الدین امیری، احمد شوقی، شاعر محمد اقبال، شیخ محمد رابع حسنی ندوی کے سفرنامے شامل ہیں، اس کتاب کو ۲۰۱۶ء میں دارالرشید نے شائع کیا ہے، اور بڑی تقطیع کے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

ادب الصحوة الاسلامیه:

۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں ندوۃ العلماء میں منعقد الندوۃ العالمیۃ للادب الاسلامی میں پیش کردہ یہ ایک محاضرہ ہے، جسے دارالصحوۃ قاہرہ نے ۱۹۸۵ء میں کتابی شکل میں شائع کیا، اپنے موضوع پر بہت ہی جامع، تحقیقی اور منفرد بحث ہے۔

لمحات من السيرة النبوية والادب النبوی:

یہ ۲۲۵ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے جسے دارالرشید نے ۲۰۱۰ء میں طبع کیا، یہ بھی دراصل وہ مقالات ہیں جو مختلف موقعوں پر رسائل وجرائد کے لئے یا کسی سیمینار ومحاضرہ کے لئے تحریر کئے گئے، ان مقالات ومحاضرات کو جمع کرکے اسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا اس کتاب پر مقدمہ ہے، اس کے پہلے باب میں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند گوشے ہیں، دوسرے باب میں آپ ﷺ کی ولادت اور سیرت کے بعض دیگر موضوعات پر مضامین ہیں، کل پانچ ابواب ہیں، جس میں بطور خاص پانچواں باب بڑی اہمیت کا حامل ہے، جس میں یومیات السیرۃ، جدول اعیان العرب، جدول دعاۃ الصحابۃ، جدول اشبال الصحابۃ، سیرت رسول پر کچھ اہم کتابوں کا تعارف شامل ہے۔

محمد رسول الله وصحابته رضي الله عنهم:

بڑی تقطیع کے ۹۶/صفحات پر مشتمل اس کتاب کو المجمع الاسلامی العلمی نے ۲۰۱۶ء میں شائع کیا ہے، یہ بھی دراصل مولانا کے بعض اہم مقالات ومحاضرات کا مجموعہ ہے، جس کو مولانا محمد وثیق ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ نے مرتب کیا ہے، جس میں بطور خاص سیرت رسول کے احترام انسانیت اور مقام انسانیت کے پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے، اور آپ کا دشمنوں کے ساتھ، قیدیوں اور بوڑھوں کے ساتھ، عورتوں اور بچوں کے ساتھ، خادموں اور غلاموں کے ساتھ اور فقراء اور جاہلوں کے ساتھ آپ کا سلوک وکردار زیر بحث لایا گیا ہے، نیز آپ کی شان رحیمی و کریمی، عالم انسانیت کے لئے آپ کی ذات کیوں سراپا رحمت تھی ، ان موضوعات سے گفتگو کی گئی ہے۔

مختصر الشمائل النبويه.رصلى الله عليه وسلم:

یہ ایک کتابچہ ہے جس کو المجمع الاسلامی العلمی نے دیدہ زیب طباعت کے ساتھ طبع کیا ہے، یہ شمائل نبوی از امام ترمذیؒ کا اختصار ہے، جسے مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے فضائل النبی فی شرح شمائل الترمذی کے نام سے اردو میں منتقل کیا ہے، اور اس کی دیگر شروحات بھی ہیں، اس کے مقدمہ میں مولانا نے کتاب کی ترتیب کی ضرورت واہمیت کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ کتاب چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔

الشیخ ابو الحسن الندوی . قائدا حکیماً:

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی کی یہ کتاب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی زندگی کے چند خاص پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔ جن میں بعض مضامین ہندوستان میں حضرت مولانا کی سیاسی سرگرمیوں سے متعلق ہیں تو بعض مضامین میں میڈیا اور تعلیم کے مسائل کے سلسلہ میں گفتگو کی گئی ہے، تحریک پیام انسانیت ، جسے حضرت مولانا علی میاں نے قائم کیا تھا، اس کا تعارف اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کی تاریخ، ملک میں اس کی ضرورت اور مفکر اسلام حضرت مولانا کی اس سلسلہ میں مساعی اور سرگرمیوں کا ذکر ہے، نیز ملک کے دیگر مسائل خاص طور پر بابری مسجد اور وندے ماترم کے سلسلہ میں حضرت مولانا کے شاندار موقف کی ترجمانی کی ہے، ۱۸۲/صفحات کی یہ کتاب ۲۰۱۲ء میں دارالرشید سے شائع ہوئی ہے۔

ابو الحسن علي الندوي. منابع فكره ومنهجه :

یہ کتاب بھی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے افکار ونظریات پر مشتمل ہے، اس کو دارالرشید نے ۲۰۱۷ء میں طبع کیا، یہ ۱۱۸/صفحات پر مشتمل ہے، اس کے بعض عناوین سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، الشیخ ابوالحسن علی الحسنی الندوی وشغفه بالقرآن الكريم، الشیخ ابوالحسن علی الحسنی الندوی، وصلته بالحديث النبوي الشريف، الشیخ ابوالحسن علی الحسنی الندوی و عناصر تكوين ذوقه الادبي، الشیخ ابوالحسن علی الحسنی الندوی، اسلوب دعوته ومنهج تفكيره۔ موقفه مع قضايا المسلمين عامة ومنهجه في حلها۔ مضامین کے تنوع اور اسلوب کی ندرت کے پیش نظر یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے، اور اسکالرز اور محققین کیلئے خاصہ کی چیز ہے۔

اوپر کی سطور میں حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ کی اہم ترین عربی کتابوں کا ایک مختصر تعارف ہے، اس کے علاوہ متعدد اہم موضوعات پر ان کی عربی زبان میں کئی کتابیں اور درجنوں مقالات و مضامین ہیں، جو اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ اصلا عربی زبان کے ہی قادر الکلام مصنف تھے، اور اسی زبان میں ان کا زیادہ تر سرمایہ موجود ہے ، لیکن ہماری زبان اردو میں بھی ان کی تصنیفات و تالیفات اور تراجم کا ایک مفید سلسلہ ہے جو اپنے موضوعات کی ندرت اور حساسیت کے لحاظ سے مولانا کو ایک عظیم مفکر اور دانشور کی حیثیت سے متعارف کراتا ہے، اوراق کی تنگ دامانی کی وجہ سے ان کی مزید کتابوں کا تعارف شامل نہیں کیا جاسکا۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

بجھ بھی گیا تو کیا، شبِ فردا کا ہوں چراغ

ڈاکٹر محمد راشد ندوی، خوشحال پوری

/جنوری 2018 کی صبح، فجر کی اذان کے وقت ہندوستان کے معروف عربی ادیب درجنوں عربی کتابوں کے مصنف، نابغہ روزگار شخصت، ندوۃ العلماء کے فرزند، خاندان حسنی کے چشم وچراغ، مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کے بھانجہ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے برادر اصغر حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی عالم فانی کی طرف رخصت ہوگئے، مولانا سید واضح رشید ندوی کا شمار ہندوستان میں عربی زبان کے صف اول کے ادباء میں کیا جاتا تھا۔

مولانا محمد واضح رشید ندوی نے ابتدائی تعلیم گھر ہی میں اپنی والدہ کے پاس حاصل کی، 1945 میں ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، اس وقت ندوۃ العلماء کی عربی زبان کا شہرہ پورے ہندوستان میں گونج رہا تھا، ندوۃ العلماء میں عالم عرب سے جرائد بھی پابندی سے آتے تھے، مولانا محمد الحسنی اور مولانا علی میاں ندویؒ کی عربی تحاریر سے مصر کے ادباء بھی متاثر تھے، اور طلبہ میں عربی زبان سے لگن اور بحث وتحقیق کا جذبہ پیدا ہورہا تھا، اور مولانا ناظم ندوی (متوفی 2000) مولانا عبد الباری ندوی (متوفی 1976) مولانا عبداللہ عباس ندوی (متوفی 2006) ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکش (متوفی 1987) اور شیخ خلیل عرب محمد المبارک (متوفی 1982) جیسے ماہر اساتذہ سے مولانا محمد واضح رشید ندوی کو تلمذ کا شرف حاصل ہے، یہ وہ دور تھا جب ہندوستان اور عالم عرب عجیب کشمکش اور اضمحلال کے دور سے گزر رہا تھا، ہندوستان میں مسلم لیگ اور کانگریس ایک دوسرے کے مدمقابل تھی، ایک جماعت تقسیم ہند کی قائل تھی تو دوسری جماعت تقسیم ہند کے مخالف، چوں کہ کانگریس کو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی (متوفی 1957) کی تائید حاصل تھی، اس لئے خانوادہ حسنی جن کا شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے گہرا تعلق تھا، مولانا علی میاں ندوی کے برادر اکبر ڈاکٹر عبد العلی سابق ناظم ندوۃ العلماء، شیخ الاسلام سے بیعت بھی تھے، لہٰذا مولانا محمد واضح رشید ندوی اوران کے ساتھیوں نے شیخ الاسلام کی حمایت میں ایک تنظیم بنائی، جس کی باقاعدہ ہفتہ وار نشستیں ہوا کرتی تھی، اس دور میں قضیہ فلسطین بھی پیش آیا، جس کی وجہ سے مولانا محمد واضح رشید کے دل میں یہودیوں اور مغربی ثقافت سے نفرت پیدا ہونے لگی، اسی دور میں تقسیم ہند کے بعد مولانا نے مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی کی نگرانی میں تحریریں لکھنا شروع کی۔

مولانا محمد واضح رشید ندوی مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی کی فکر سے بہت متاثر تھے، آپ نہ صرف ان کے زیر تربیت رہے بلکہ ان کے ساتھ عالم عرب کا بھی سفر کیا ہے، حضرت مفکر اسلام رحمہ اللہ کا دعوتی اسلوب، تالیف، نقد وتحلیل، ایمانی فراست، اور قلبی حمیت مولانا رحمہ اللہ تعالی کے قلب میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جس کسی نے مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی، مولانا محمد الحسنی ندوی اور مولانا محمد واضح رشید ندوی کو پڑھا ہو، وہ اس بات کو بخوبی محسوس کرسکتا ہے، کیونکہ ان تینوں حضرات کی عربی تحاریر میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

مولانا محمد واضح رشید ندوی نے علی گڑھ میں باقاعدہ تعلیم تو حاصل نہیں کی، لیکن اپنے قیام دہلی میں علی گڑھ کے انگریزی امتحان میں شرکت کی ہے، مولانا محمد واضح رشید 1953 میں آل انڈیا ریڈیو میں بحثیت مترجم مقرر ہوئے، اسی دوران مولانا نے اپنے طور پر فن سیاست، سوشلزم اور انگریزی میں بھی مہارت حاصل کی، یہاں رہتے ہوئے مولانا نے مغربی سیاست وتہذیب

کا گہرا مطالعہ کیا، اس وقت آل انڈیا ریڈیو میں شام، عراق، مصر اور فلسطین وغیرہ مختلف ممالک کے ادباء کام کرتے تھے، مولانا کا ان سے بحث ومباحثہ ہوتا اور فکر پروان چڑھتی، مولانا محمد واضح رشید صاحب نے آل انڈیا ریڈیو میں بیس سال کام کا۔

ایک طویل عرصے تک درس وتدریس کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد 1973 میں ندوۃ العلماء کے استاد مقرر ہوئے اور مولانا عبد اللہ عباس ندوی کے انتقال کے بعد سن 2000 میں معتمد تعلیمات مقرر کئے گئے، اپنے دور تدریس میں مولانا نے اپنی تدریسی صلاحیتوں کا خوب لوہا منوایا، چوں کہ عربی ادب پر ان کو مکمل دسترس حاصل تھی، لہٰذا جب درس دیتے تو قدیم ماہر لسانیات کا طرز اپناتے، ہر لفظ کی مکمل لغوی ومعنوی تشریح کرتے، اور ساتھ ہی طلبہ کو مصادر عربی ادب کی طرف رجوع ہونے کا مشورہ دیتے، آپ قابل استاد ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اعلی اخلاق اور نرم خو وخوش مزاج ہونے کے باعث طلباء میں ازحد مقبول تھے، ہر طالب علم کو لگتا کہ وہ ہی مولانا کے سب سے زیادہ قریب ہے، کبھی کسی کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آتے، ایک مخلص استاد کی طرح ان کی خواہش وکوشش ہوتی کہ ان کا شاگرد اپنے علم وعمل میں خوب ترقی کرے۔

مولانا خاموش طبیعت کے حامل تھے، بلاضرورت شاید ہی ان کی زبان سے کوئی لفظ نکلتا ہو، درس وتدریس ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، وہ شہرت اور نام ونمود سے کوسوں دور رہتے، یہ میری خوش قسمتی رہی ہے کہ میں نے اپنا ایم فل کا مقالہ مولانا ہی کے سیاسی اور معاشرتی مضامین پر لکھا ہے، میں مولانا سے ان کے متعلق معلوم کرنے کے لئے گیا تو کہنے لگے کہ میں اس لائق نہیں کہ مجھ پر ایم فل کیا جائے، بہت دیر تک تو اس بات پر مصر رہے کہ میں موضوع تبدیل کرلوں، لیکن میں نے چونکہ تہیہ کیا ہوا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ ہی کی شخصیت کو اپنے مقالہ کا موضوع بنانا ہے، اور اس وقت میری نظر میں ہندوستان میں حضرت مولانا رابع حسنی ندوی کے بعد ایک ہی شخصیت تھی جس پر میں ریسرچ کرسکتا تھا، مولانا رابع حسنی ندوی پر تو ڈاکٹر زکریا غوری ریسرچ کرہی چکے تھے، لہٰذا میرے بضد رہنے پر انہوں نے اپنی زندگی کا ایک مختصر خاکہ استاد محترم مولانا وثیق ندوی کے ذریعہ لکھوا کر دیا، جو میرے لئے مصدر کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا محمد واضح رشید ندوی صرف ایک مشفق استاد اور ماہر تعلیم ہی نہیں تھے بلکہ نڈر اور بے باک صحافی بھی تھے، مجلّہ البعث الاسلامی اور الرائد کی باگ ڈور مولانا ہی کے ہاتھ میں تھی، جس میں مولانا کی نگارشات باقاعدگی سے شائع ہوتیں۔

مولانا محمد واضح رشید ندوی کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ان کی تحریروں میں کسی بھی شخصیت پر نقد نہیں ہوتا تھا، اور اگر کسی کو اصلاح کی طرف متوجہ بھی کرنا ہوتا تو کبھی اس کا نام تک ذکر نہیں کرتے تھے۔

مولانا محمد واضح رشید ندوی ذاتی طور جن چند شخصیات سے متاثر تھے، ان میں سرفہرست ان کے اساتذہ اور ان کے ماموں مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی، اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شاہ عبد القادر رائے پوری، اور مولانا مولانا ابو الکلام تھے، مولانا آزاد اگر کبھی علامہ سید سلیمان ندوی کی موجودگی میں ندوہ تشریف لاتے تو مولانا اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے افکار و ارشادات سے فائدہ اٹھاتے، اسی طرح صاحب مصباح اللغات عبد الحفیظ بلیاوی اور مولانا محبوب الرحمٰن ازہری، مولانا محمد عمران ندوی اور مولانا محمد اسحاق سندیلوی سے بھی کافی متاثر تھے۔

مولانا کے سینکڑوں عربی مقالات ہیں، اور درجنوں عربی کتابیں ہیں، جن میں إلى نظام عالمي جديد کتاب کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے، اس کتاب میں مغربی تہذیب اور اس کے مادی فلسفہ کا علمی انداز میں جائزہ لیا گیا ہے، عالم انسانی پر اور خاص طور پر مسلمانوں پر اس کے کافی مضر اثرات پڑ رہے ہیں اس کا اظہار کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اسلامی تعلیمات کی

روشنی میں ان مفاسد اور مضرات اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی اچھے اسلوب میں اصلاح کی بھی دعوت دی ہے۔

اس کے علاوہ مولانا نے ہندوستان میں مروجہ نظام تعلیم کے متعلق بھی عربی میں ایک کتاب تالیف کی ہے، جس میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر دور حاضر تک تعلیمی نظام کے متعلق مفصل بحث کی ہے، اس کے علاوہ مولانا نے ہندوستان میں دعوتی نظام پر بھی مختلف مضامین لکھے ہیں، عربی ادب مولانا کا پسندیدہ موضوع تھا، ان کی کتاب تاریخ الأدب العربی (العصر الجاھلی) شامل نصاب بھی ہے، مختصر اور سہل اسلوب میں یہ کتاب ان کی ادبی صلاحیتوں اجاگر کرتی ہے، آپ ہندوستان کے پہلے عربی ادیب تھے جنہوں نے مصادر عربی ادب پر بھی کتاب لکھی ہے، ورنہ اس طرف اسکالرز کا ذہن بہت ہی کم جاتا ہے، مولانا کو ترجمہ میں بھی مہارت تامہ تھی، جس کی مثال مولانا عبدالباری ندوی کی کتاب مذہب اور سائنس کا عربی ترجمہ ہے، اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کی کتاب فضائل القرآن کا بھی عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

ان کے علاوہ بھی مولانا کی مختلف موضوعات پر درجن بھر کتابیں ہیں، مولانا کی تصانیف اور مقالات دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ جہاں ایک طرف اسلامی ثقافت کی داد دیتے ہوئے نظر آتے تھے، وہیں مغربی تہذیب سے دوری اختیار کرنے کی دعوت بھی دیتے ہیں، وہ صاف لکھتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل درآمد ہی ہر مسئلہ کا حل اور ہر درد کی دوا ہے، آپ اپنی تحریر و تقاریر کے ذریعہ ہندوستان میں تعلیم اور عربی زبان سے شغف، سیرت نبوی سے دل چسپی اور علماء و صالحین سے عقیدت پر مستقل توجہ دلاتے رہے

مولانا کی خدمات کے اعتراف میں 1997 ان کو صدر جمہوریہ ایوارڈ سے نوازا گیا تھا، مولانا نے دنیا بھر میں کانفرنسوں میں شرکت کی ہے، جن میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، ریاض، استنبول اردن، قاہرہ، کویت، نیپال، متحدہ عرب امارات، آکسفورڈ قابل ذکر ہیں، مولانا کو عظیم شخصیات کے سامنے عربی مقالات پڑھنے کا بھی شرف حاصل ہے، جن میں سعید رمضان بوطی، ڈاکٹر عمر فروخ، ڈاکٹر عمر بہاء الدین امیری، شاہ فیصل اور فاروق لغاری سابق وزیر اعظم پاکستان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ایسی نابغہ روزگار شخصیت کی جدائی کسی عظیم سانحہ سے کم نہیں، مولانا کی زندگی جد وجہد سے عبارت ہے، جس میں اخلاص، جدوجہد، ہمت مسلسل لگن اور بے لوث محنت جیسی اعلی صفات موجود تھیں، ان کی اس زندگی میں ہم طالب علموں کے لئے قابل تقلید سبق ہے، اللہ رب العزت مولانا کی کامل ترین مغفرت فرمائے، اور ان کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ آمین

ملت کا آئینہ تھے واضح رشید ندوی

عبد الرب حماد پھلتی

خوشبو کا سلسلہ تھے واضح رشید ندوی
پھولوں کی اک ردا تھے واضح رشید ندوی

قدرت کی اک عطا تھے واضح رشید ندوی
خاموش اک صدا تھے واضح رشید ندوی

لوگوں کو جس نے موج ظلمت سے ہے نکالا
ایک ایسے ناخدا تھے واضح رشید ندوی

دور بہار ہو یا کوئی خزاں کا موسم
ہر آن با وفا تھے واضح رشید ندوی

میدان درس ہو، یا حماد ہو، صحافت
سچائی کی ندا تھے واضح رشید ندوی

ایک مفکر دماغ تھا نہ رہا

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی ؒ

مولانا حیدر علی ندوی
استاذ جامعہ امام ولی اللہ، پھلت

بہت کم شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کو فطرت سلیم اور قلب منیب کے ساتھ ساتھ اسلامی اور انسانی علوم و معارف کا بحر بے کراں نصیب ہوتا ہے، مولانا سید واضح رشید ندوی رحمہ اللہ علم وفکر اور حقائق و واقعات کی شناوری کا وہ بحر سیال تھے جس سے تشنگان حقیقتِ عالم کی سیرابی ہوا کرتی تھی، وہ میدان حیاتِ اسلامی کے دلیل ورہنما اور ایک ایسے ہادیِ برحق تھے جن کے اشارے حیات و زیست کی صحیح نشاندہی کیا کرتے تھے۔ ایک برجستہ قلم کار، قرآنی آہنگ وطریق سے متصف ایک مفکر جس کی فکر کے تیشے اور تحریر کی ضرب کاری دشمنان اسلام کی دسیسہ کاریوں اور تہذیب جدید کے آدم کش اور انسان سوز نظریات وافکار کے پرخچے اڑا دیتی تھی، وہ عربی زبان وادب کے عالم و ماہر اور اس کی تاریخ وادوار کے نہ صرف واقف کار بلکہ تجزیہ نگار تھے، کم گو تھے مگر ان کے وجود سے علم وفکر کے سوتے پھوٹتے تھے، گویا ایک بحر خموش جس کی عمیق تہوں میں لعل و جواہر کا انبار ہو، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جیسی عظیم المرتبت اور رمز شناس عالم ہستی کی آغوش تربیت میں پل بڑھ کر جوان ہوئے، پرشکوہ و پرجلال طرز تدریس کے مالک جو طلبہ کی سماعتوں کو غلام بنالیتا، یوں تو عربی ادب کے میدان کے وہ بے مثال شہ سوار تھے، لیکن اقوام وملل کی تاریخ، عالم اسلامی میں پائی جانے والی کشمکش وکشاکش کے اسباب وعلل سے واقفیت، مغربی تہذیب کا غیر جانبدارانہ تجزیہ، اس کے منافع کی تحسین اور مضرتوں کی نشاندہی، غرض اسلام مخالف تمام فکری یلغاروں کی تشخیص وتعیین کے سلسلہ میں وہ مقام ثریا پر فائز تھے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ’’المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی‘‘ شعبہ کے وہ سرپرست تھے، ’’الغزو الفکری‘‘ کے عنوان سے وہ محاضرہ دیا کرتے اور مغربی تہذیب، اس کے بنیادی مفکرین اور اساسی نظریات وفلسفوں پر اس طرح گفتگو فرماتے کہ اس تہذیب کے موافق ومخالف پہلو واضح طور پر ذہن نشین ہوجاتے، اپنے ان محاضرات میں وہ ان مغربی مفکرین اور فلسفیوں سے متعلق لب کشا ہوتے جن کے افکار ونظریات پر اس یورپی تہذیب کی اساس قائم ہے، ان محاضرات کے دوران وہ بتلاتے کہ مغربی تہذیب کیا ہے؟ اور اسلامی تہذیب سے اس کا ٹکراؤ کن اشیاء میں اور کیوں ہے؟ مغربی تہذیب دین ومذہب کی مخالفت پر کیوں مجبور ہوئی؟ اور اس تہذیب کے یہاں دین و دنیا، خالق ومخلوق اور انسان کی ابتداء وانتہا سے متعلق کیا تصورات قائم ہیں؟ مولانا مرحوم کی صحبتوں اور محاضرات کا ایک عجب امتیاز یہ تھا کہ سننے والوں کا اپنے علم وفکر پر اعتماد بحال ہوتا، اور قلب و دماغ کو وسعتوں کا کھلا آسمان نصیب ہوجاتا، مولانا مغرب میں پائے جانے والے نظریہ حریت پر کھل کر گفتگو فرماتے، ایک مغربی مفکر والٹر روسو کا ایک بار تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا، کہ روسو نے مغرب کو حریت کا تصور دیا، یہ تصورِ حریت مذہب کے خلاف بغاوت تھا، مذہب دشمنی پر قائم مغرب کا تصور اسلام اور مسلمانوں پر ثابت نہیں ہوتا، اسی تصور حریت کے نتیجہ میں فرانس میں وطنیت اور جرمن وغیرہ میں قومیت کا تصور پیدا ہوا، مغربی تہذیب کے بنیادی عناصر کا ذکر فرماتے اور سیر حاصل بحث فرماتے، یونان و روم اور ان کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک محاضرہ میں فرمایا، کہ یونان عقلانیت پسند تھے، اس لئے یونان میں فلاسفہ اور مفکرین زیادہ پیدا ہوئے، یورپ نے ان سے استفادہ کیا، دوسری طرف رومی تھے، روم میں سیاست کا عنصر غالب تھا، وہاں حکمراں ہوئے، رومی سفاکیت کے اندر سب سے بڑھے ہوئے ہیں، ان

کا قلب گوشت کا نہیں بلکہ پتھر کا ہے، دوسری جنگ عظیم کے اندر ان کی آخری سفاکیت سامنے آئی، فرماتے اس کا جاننا اس لئے ضروری ہے کیونکہ مغربی تہذیب کا سب سے بڑا عنصران کی تاریخ ہے، مغرب نے روم ویونان کی تاریخ کوسامنے رکھ کر اپنی تہذیب کا قصر تعمیر کیا ہے، وہ نہ صرف قوموں اور تہذیبوں کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے، بلکہ مذاہب کی تاریخ پر بھی ید طولی رکھتے تھے، مسیحیت کی تاریخ کے ان گوشوں پر وہ گفتگو کرتے جن پر ایک دیدہ ور اور وسیع النظر شخص ہی بحث کرسکتا ہے، ایک مرتبہ مسیحیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا مرحوم نے فرمایا ''کہ اصلا مسیحیت دو طرح کی ہے، ایک اصل مسیحیت ہے جوشام اور اطراف شام میں پائی گئی، اور دوسری وہ مسیحیت ہے جس کو پانچویں صدی میں رومیوں نے اختیار کیا، رومی اصلاوثن پرست تھے، جبکہ یونانی عقل کو خدا مانتے تھے، رومیوں نے مسیحیت کونسل کے بجائے قومیت کے طور پر قبول کیا، مولانا کے دروس سے دین وکلیسا کی کشمکش، مغرب کی مادہ پرستانہ روش کے بنیادی اسباب، اسلام اور مسلمانوں سے ان کی عداوت وحسد اور مسلم ممالک پر غلبہ وحکومت کے لئے ان کی خواہش وہوس کے پیچھے کارفرما اسباب کھل کر سامنے آجاتے، اور پتہ چلتا کہ اسلامی تہذیب کا مغربی تہذیب سے کیا اور کیوں اختلاف ہے۔

مغرب کی فکری یلغاروں کے مطالعہ اور ان سے واقفیت کے لئے استاذ محترم نے ''**الغزو الفکری**'' کے نام سے ایک کتاب بھی تالیف کی، دوسو صفحات اور پانچ فصلوں پر مشتمل اس کتاب میں یورپ کی علمی وتہذیبی تاریخ، اس کے فکر وفلسفہ، اس کے مفکرین اور فلسفیوں، مغربی بیداری، اس کے بنیادی نظریات و افکار، دنیا اور خاص طور سے مسلم دنیا پر اس کے اثرات، مغرب سے اٹھنے والی اسلام مخالف تحریکات، مستشرقین اور ان کے خطرناک عزائم، اسلامی بیداری اور اس تہذیب سے خلاصی کے طریقوں اور ذرائع جیسے موضوعات کو موضوع بنایا گیا ہے، عام طور پر اس میدان میں جب مفکرین اور اس موضوع سے متعلق لوگ قدم رکھتے ہیں تو جانبداری کا شکار ہوجاتے ہیں، وہ ذہن وفکر میں پہلے سے موجود پہلو کو ترجیح اور دوسرے پہلو کو مرجوح قرار دیتے چلے جاتے ہیں، مولانا مرحوم کو اللہ نے وہ دل گردہ عطا فرمایا تھا کہ وہ دنیائے انسانیت پر مغرب نے جو احسانات کئے ہیں وہ ان کا کھلے دل اور واضح الفاظ میں تذکرہ کرتے تھے، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے زیر سایہ جو فکر سلیم پروان چڑھی تھی اور خالص قرآنی اور انسانی بنیادوں پر آباد انسانی دنیا کے لئے جو طریق کار حقیقی کامرانی وکامیابی کا ضامن تھا، استاذ مرحوم اپنی پوری زندگی قندیل ربانی بن کر امت اسلامیہ کی راہوں کو منور کرتے رہے۔

تدریس میں عربی زبان وادب ان کا خاص موضوع تھا، عربی ادب کے مصادر پر ہندوستان میں انھوں نے ہی منظم انداز میں کام کیا، اس موضوع پر ''**مصادر الادب العربی**'' کے نام سے کتاب تصنیف کی، عربی زبان کی تاریخ کے آخری دور یعنی عصر حدیث کے ادباء کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک شاندار کتاب ''**اعلام الادب العربی فی العصر الحدیث**'' کے نام سے تالیف فرمائی، وہ ادب کی کتابیں پڑھاتے تو عرب ادباء کی کتابوں میں درآئے ان جملوں کا تذکرہ کرتے جن میں وہ مغرب سے متاثر ہوئے، نجیب محفوظ سے متعلق ایک دن فرمایا کہ ان کی کتابوں میں مذہبی لوگوں سے بغاوت پائی جاتی ہے، وہ خالص عربی زبان میں آئی ان تعبیرات کو ناپسند کرتے تھے جو انگریزی لٹریچر سے منتقل ہوکر جدید عربی صحافتی زبان کا جزء لاینفک بن گئی ہیں، وہ مثالیں دے کر ان کو سمجھاتے اور اس کے عوض کون سی عربی تعبیر استعمال ہونی چاہئے اس کی وضاحت فرمادیتے۔

مولانا کی تصنیفات وتالیفات کے مطالعہ اور ان کی فکر کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دور حاضر میں ملت اسلامیہ کا کتنا عظیم سرمایہ تھے، ایسے نازک دور میں ایک بالغ نظر حکیم اور دور بیں مفکر کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا قیامت صغری سے کم نہیں ہے۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

ایک نابغہ روزگار شخصیت

عبید الرحمٰن نعمانی (دہلی)

کسی با کمال اور عہد ساز شخصیت کے حادثہ وفات سے قوم وملت کو جو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچتا ہے علمی دنیا میں اس پر اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کبھی اس پیرایہ میں بھی کیا جاتا ہے کہ "ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی" لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمتہ اللہ علیہ حسنی خانوادہ کے ایسے روشن ترین چراغوں میں سے تھے کہ جن کی روشنی چراغ کی لوگل ہو جانے کے بعد بھی ماند نہیں پڑتی، ہمارے ممدوح کی علمی وادبی خدمات خاص طور پر عربی زبان وادب کے حوالہ سے تو ماشاء اللہ ایسی گونا گوں اور اس قدر وسیع وعریض ہیں کہ بقول شاعر:

سفینہ چاہئے اس بحرِ بے کراں کے لئے

مولانا مرحوم کی ان گراں قدر علمی خدمات کے جائزہ کا حق تو اہل علم حضرات ہی ادا کر سکتے ہیں، ہمارے پیشِ نظر سرِ دست حضرت مولانا کی عملی زندگی کا وہ درخشاں ترین پہلو ہے جس نے انہیں اپنے زمانہ کی ایک عدیم المثال اور نابغہ روزگار شخصیت بنا دیا تھا، اور وہ پہلو ہے ان کا مثالی استغنا اور غیر معمولی شانِ بے نیازی، یوں تو نام ونمود اور مال ومنال سے گریز خانوادہ حسنی کی خصوصیات میں عام طور پر ایک نمایاں وصف رہا ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ اس میدان میں مولانا واضح مرحوم اپنے تمام ہم عمروں اور ہم عصروں سے بھی سبقت لے گئے تھے تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ اس میدان میں وہ اپنی مثال آپ تھے اور ان کے تعلق سے یہ سوال اپنی جگہ برحق ہے کہ:

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

نفسانیت، حبِ دنیا، جاہ طلبی اور خودنمائی کے اس پر آشوب دور میں انہوں نے اپنے ذاتی اوصاف اور عملی اقدامات سے بے نفسی، قناعت پسندی اور توکل علی اللہ کے جو تابندہ نقوش ثبت کئے وہ چشمِ فلک کو حیران کردینے کے لئے کافی ہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت اور اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انگریزی میں پوسٹ گریجویشن کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد 1953 میں مولانا واضح رشید حسنی نے اپنی عملی زندگی کا آغاز حکومتِ ہند کے اہم ترین نشریاتی ادارہ آل انڈیا ریڈیو کی عربی سروس سے وابستگی کے ساتھ کیا تھا، رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد پہلے ہی مرحلہ میں ریڈیو کی عربی سروس کی ساتھ مولانا کی وابستگی کا محرک بظاہر عربی زبان وادب کے ساتھ ان کی گہری مناسبت اور جدید عربی زبان واسلوب میں پوری مہارت حاصل کرنے کا شوق تھا، ہماری دانست میں اس مقصد کے لئے ریڈیو کی عربی سروس سے زیادہ موزوں کوئی دوسری جگہ نہیں ہوسکتی تھی، یعنی ریڈیو کے ساتھ مولانا کی وابستگی ان کے لئے کسبِ معاش سے زیادہ علمی استفادہ کا ذریعہ تھی اور اس ملازمت سے حاصل ہونے والی منفعت ان کا مطمحِ نظر کبھی نہیں رہی، جیسا کہ بعد میں پیش آنے والے واقعات نے ثابت بھی کردیا۔ چنانچہ کم وبیش 20/برس تک اس مؤقر سرکاری ادارہ میں بحیثیت ترجمہ نگار اور اناؤنسر اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے بعد اپنے عظیم المرتبت ماموں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظمِ اعلی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ایماء اور ان کے مشورہ پر 1973 میں یک لخت ریڈیو کی سروس کو خیر باد کہتے ہوئے انہوں نے اپنی مادر علمی اور عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خدمت کا فیصلہ کرلیا اور پھر تاعمر اپنے اس فیصلہ پر پوری استقامت کے ساتھ قائم

رہے، یہ سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ جو بلاشبہ ان کی عملی زندگی کے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، اب سے قریباً 45 سال پہلے کا ہے جب کہ ان کی اپنی عمر بھی 40 برس سے کم ہی رہی ہوگی۔ عمر کے اس دور میں ایسا انقلابی فیصلہ، جس نے بھی کہا سچ ہی کہا ہے کہ "اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں" لیکن بات ابھی ختم نہیں ہوئی، مولانا مرحوم کی عملی زندگی کا دوسرا دور جو 1973 میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ساتھ ان کی وابستگی سے شروع ہوکر دمِ واپسیں تک قائم رہا، اس طویل عرصہ میں وہ ادارہ جاتی ترقیات کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے 2006 میں جب ندوہ کے معتمد تعلیمات کے عہدہ پر فائز ہوئے تو اپنے واجبی مشاہرہ سے بھی دستبردار ہوگئے اور اپنے اس اقدام سے انہوں نے ایک بار پھر یہ ثابت کیا کہ توشہ دنیا کے مقابلہ میں زادِ آخرت انہیں ہر حال میں عزیز تر ہے۔ یہ تھی مولانا واضح رشید کے مثالی استغنا، قناعت پسندی اور توکل علی اللہ کی وہ دولت جس سے ان کی زندگی عبارت تھی، یوں تو مولانا مرحوم کی ۸۳ رسالہ حیاتِ مستعار کے صرف یہی دو واقعات ہمارے حرف مدعا کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لئے کافی ہیں لیکن مولانا کی عملی زندگی کی کچھ ایسی قابل ذکر باتیں ابھی باقی ہیں جن کے تذکرہ کے بغیر یہ تحریر نامکمل رہے گی، دہلی سے لکھنؤ واپسی کے ساتھ اپنی عملی زندگی کے اس دوسرے دور میں مولانا واضح رشید صاحب کی دارالعلوم ندوۃ العلماء سے وابستگی کی مدت کم وبیش ۵۴ برس پر محیط تھی، اس طویل عرصہ میں مولانا ممدوح کی ذاتی زندگی کے بعض ایسے دوسرے اوصاف وکمالات بھی منصۂ شہود پر آئے جن کے تفصیلی تذکرہ کا یہ مختصر مضمون متحمل نہیں ہوسکتا، لیکن ان تمام ذاتی خوبیوں میں اس راقمِ آثم کے نزدیک خودنمائی اور جاہ طلبی سے مکمل اعراض حضرت مولانا مرحوم کا ایک ایسا عظیم وصف تھا جو ان کے تذکرہ میں یقیناً آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ ایک ایسی سراپا علم اور لائق وفائق شخصیت جس نے ایک طویل عرصہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسی بین الاقوامی شہرت یافتہ دینی درس گاہ میں اعلیٰ ترین عہدوں کو زینت بخشی ہو، اسے اپنے تعلق سے خودنمائی اور شہرت پسندی سے اللہ واسطے کا بیر ہو، یہ بلاشبہ ہمارے زمانہ کا ایک معجزہ بھی ہے اور مولانا مرحوم کے اخلاص وللّٰہیت کی ایسی کھلی ہوئی نشانی ہے جسے اس دہر ظلمات میں بھی ہر فردِ بشر کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ بے نفسی اور اخلاص وللّٰہیت اگر ان کے تمام اعمال واشغال کی روح اور جوہر اصلی تھا تو اخفائے ذات ان کی کتابِ زندگی کا ایک نایاب سرورق، نفسانفسی اور مادہ پرستی کے موجودہ دور میں دینِ حق اور علمِ دین کی ایسی بے لوث خدمت اور راہ خدا میں ہر ممکن ایثار وقربانی کی سعادت سے سرفرازی مولانا واضح رشید مرحوم کے ایسے مثالی کارنامے ہیں جن کی روشنی میں جادہ حق کے مسافر مدتوں اپنی اپنی منزلوں کے راستے طے کرتے رہیں گے۔ سدا رہے نام اللہ کا

بارگاہِ حق میں دعا ہے کہ مولانا مرحوم کی تمام خدمات و حسنات کو شرف قبولیت حاصل ہو، ان کے درجات بلند ہوں اور کریم آقا ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے نیز دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کے ناظمِ اعلیٰ کو جو ہم سب کے بزرگ اور مولانا مرحوم کے برادر اکبر ہیں مرحوم کا بہترین نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

اپیل دعائے مغفرت

☆ ماہنامہ ارمغان کے ایک قدرداں اور حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی کے ایک مسترشد جناب مفتی عبدالمالک قاسمی (جامعہ عربیہ رشیدیہ، نگینہ ضلع بجنور) ۲۴ رجنوری کو وفات پاگئے، انھوں نے مسلسل ۲۴ رسال تک درس حدیث کی خدمت انجام دی۔

☆ جناب سید حفیظ الحسن رضوی چاند پور کے ایک پوتے محمد سلیمان نے نوعمری میں اپنے خاندان کو داغ مفارقت دیا۔

قارئین سے دعا اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

عظیم خانوادہ کے عظیم فرزند

مولانا راحت علی صدیقی قاسمی
استاد جامعہ امام ولی اللہ پھلت

سرزمین ہند علم وادب کا گہوارہ ہے، اس ملک کی مٹی میں علم کی خوشبو بسی ہوئی ہے، اس کی خوبصورتی، دلکشی وجاذبیت، اس کے جائے وقوع، موسم، آب وہوا کے باعث ہے، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس حقیقت کا اعتراف کرنا بھی ضروری ہے کہ ہندوستان علم وادب کا گہوارہ ہے اور بہت سی عظیم شخصیات نے اس ملک کی تاریخ کو تابناک بنایا ہے، بہت سے خانوادے ہیں جن کے باعث یہ ملک علم کے میدان میں مثال ہونے کا شرف رکھتا ہے، اور وہ خانوادے تاریخ کے اوراق پر ستاروں کی مانند آج تک چمک رہے ہیں اور اپنی خدمات جلیلہ کی بنیاد پر تاریخ ہند کا مرکزی کردار ہیں۔

خانوادۂ ولی اللہ جس نے علم حدیث وتفسیر میں نمایاں کارنامے انجام دیے، کفر والحاد پر کاری ضرب لگائی، باطل طاقتوں کو منھ توڑ جواب دیا، اسلام کی ترجمانی وتبلیغ اشاعت کے میدان میں تابندہ نقوش ثبت کئے، جو نشان منزل ہیں، ان پر قدم رنجہ ہوکر اس میدان میں کامیابی وکامرانی کے اعلی منازل طے کئے جاسکتے ہیں، خانوادہ قاسمی نے درس وتدریس منطق وفلسفہ اور علم کلام میں نمایاں خدمات انجام دیں، علم وعقل کے دعویداروں اور مذہب اسلام پر نکتہ چینی کرنے والوں کو مسکت جوابات دئے، آج بھی اس بحر ذخار سے موتیاں چننے والے چن رہے ہیں، اور یہ دریا سکون وطمانیت کے ساتھ موجزن ہے، خانوادۂ انور شاہ نے علم حدیث اور زبان وادب کی بے پایاں خدمات انجام دیں، ختم نبوت کے تحفظ کیلئے سینہ سپر رہے، اور افراد سازی ورجال سازی کے قابلِ رشک نمونے پیش کئے، آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اور پتھروں سے ہیرے تراشے جارہے ہیں، خانوادۂ مدنی کے افراد نے نظم ونسق، سیاست وحکمت کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں، اور علم وادب کے کسی گوشہ کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا، اس خانوادہ کے فرزند آج بھی خدمت دین میں مشغول ہیں۔

سرزمین ہند میں ایک اور مشہور خانوادہ ہے، جس کا علمی وقار بلندو بالا ہے، جس نے قرآن وحدیث، تفسیر، بیان وخطابت دعوت دین اور اشاعت دین کے شعبوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب کے شعبہ میں وہ خدمات جلیلہ انجام دیں کہ اہل زبان بھی متحیر ہوگئے، اوران کے طرز نگارش کے گرویدہ ہوگئے، ان کی تخلیقات اور فکری بلندیوں کو دیکھ کر ان کی علمی قابلیت کے اسیر ہوگئے، ساری کائنات کے باشندوں کو عجم خیال کرنے والے اس خانوادہ کی گفتار وخطابت سے محوحیرت ہوگئے، یہ خانوادہ ضلع رائے بریلی کے تکیہ کلاں کا حسنی خانوادہ ہے، جس کا ہر فرد بشر آسمان علم وادب کا آفتاب وماہتاب ہے، زبان دانی وقوت بیانی میں بے مثل ہے، قلم سے موتی اگلنے میں یکتا ومنفرد ہے، جن کے الفاظ قلوب کی دنیا پر حکومت کرتے ہیں، اور لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کردیتے ہیں۔

اس عظیم خانوادہ کا ایک عظیم فرزند ہمارے درمیان سے رخصت ہوگیا، اس کا رخصت ہونا یقینی طور پر ملت اسلامیہ کے لئے رنج والم کی بات ہے، تکلیف کے آثار ہر چہرے پر نمایاں ہیں، غم واندوہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد بشر محسوس کررہا ہے، البتہ اہل ندوہ کے لئے یہ ایسی صورت حال ہے جس کو لفظوں میں سمونا مشکل ہے، جیسے کسی گھر کا بڑا رخصت ہوجائے، کسی بچہ کا مشفق ومربی دنیا چھوڑ جائے، اس طرح کی صورت حال اہل ندوہ کے لئے ہے، چونکہ دارالعلوم ندوۃ العلما کے معتمد تعلیم جناب مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ دنیا سے رخصت ہوگئے۔

مولانا واضح رشید ندوی عربی زبان وادب کے عظیم خدمت گاروں میں سے ایک تھے، انہوں نے زبان وادب کی مختلف زاویوں سے نمایاں خدمت انجام دی، میدان صحافت کو اپنے قلم کی طاقت سے خوبرو کیا، البعث الاسلامی، اور الرائد میں اس دعوے کے دلائل بکثرت موجود ہیں، الرائد میں لکھے گئے ان کے اداریئے اور ''صور واوضاع'' کے عنوان سے تحریر کئے گئے ان کے مضامین جہاں ان کی طرز نگارش کی یکتائی اور انفرادیت کی جانب اشارہ کرتے ہیں، وہیں ان کی فکری بلندی کو بھی محیط ہیں، انہوں نے عالم اسلام کے مسائل، ان کے اسباب وعلل کو بخوبی اپنی تحریروں میں پیش کیا، مغرب کی اسلام دشمنی کے وجوہات و اسباب پر روشنی ڈالی، مغربی تہذیب وثقافت کے کھوکھلے پن کو عیاں کیا، یورپ کی فکری آزادی اور بے راہ روی کو موضوع گفتگو بنایا، اس کی صحیح صورت حال سے قارئین کو باخبر کیا، آزادی رائے کے کھوکھلے دعوے کی حقیقت کو اپنے ایک مضمون "موقفان متناقضان لحریۃ الرأی" میں ایسے سلیقہ کے ساتھ عالم آشکار کیا، کہ لوگ اس کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے، اور مغرب نے جو متضاد آزادی رائے کا ڈھونگ رچ رکھا ہے، اس کو عیاں کیا، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں مغرب کا یہی طرز ہے اس جانب بھی روشنی ڈالی، ایک جگہ رقم طراز ہیں: **"فان لها معيارا لحرية التعبير يختلف عن معيار مخترعي هذا المصطلح، و يوجد هذا التناقض في كل مجال من مجالات الحياة' صور و أوضاع "۔** (البعث الاسلامی اکتوبر 2018)

وہ عظیم صحافی تھے، انہیں صحافت کے میدان میں درک حاصل تھا، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ 1953 سے 1973 تک آل انڈیا ریڈیو میں بحیثیت ترجمان اور اناؤنسر ملازمت کیا کرتے تھے اور غیر معمولی عزت وعظمت کے حامل تھے، ان کی خوبی یہ تھی کہ انہیں انگلش، عربی اور اردو تینوں زبانوں میں مہارت حاصل تھی، اور تینوں زبانوں میں ان کا قلم سیال تھا، اگر چہ عربی میں زیادہ لکھتے تھے، لیکن اردو زبان میں بھی راشٹریہ سہارا میں ان کے مضامین نگاہوں سے گذرتے رہے ہیں، جن میں ان کی فکری بلندی، تجزیہ کی قوت، عالم اسلام کے احوال پر نظر عیاں ہوتی تھی، اور الفاظ کی سادگی وشائستگی بھی ان کی سادہ شخصیت کی جانب اشارہ کرتی تھی۔

آپ محض صحافت ہی تک محدود نہیں رہے، بلکہ آپ نے حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مشورہ کے مطابق درس و تدریس کو بھی اپنا مشغلہ بنایا، اور کامیاب مدرس ثابت ہوئے، آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت کو ترک کر کے دارالعلوم ندوۃ العلما کے شعبۂ تدریس سے وابستہ ہوگئے، آپ نے ادب عربی کی تدریس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، کلیۃ اللغۃ العربیہ کے عمید ہوئے، جو صلاحیت ان کے پاس تھی، اسے طلبہ میں منتقل کرنا شروع کیا، طلبہ میں زبان و بیان کی قدرت پیدا کی، انہیں مضمون نگاری و انشا پردازی کی باریکیاں سکھائیں، اور ایک بڑا طبقہ اس بات کا معترف ہے کہ انہوں نے بڑی تعداد میں قلم کے شہسوار تیار کئے، جو دین وعلم اور عربی زبان کی عظیم ترین خدمت ہے، زبان وادب کے ساتھ ساتھ اسلامی افکار نظریات کو آپ نے تدریس کا موضوع بنایا، طلبہ کو اسلامی افکار نظریات کی حکمتوں اور باریکیوں پر مطلع کیا، اور فکر ونظر کی بالیدگی کے واضح ترین نمونے پیش کئے، جس کا اعتراف ان افراد کے جملوں سے ہوتا ہے، جو آپ کے درس میں شریک رہے ہیں، آپ کے ایک عظیم شاگرد ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (آکسفورڈ، انگلینڈ) اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

"مولانا کے درس کی اہم خصوصیت افادہ ونفع رسانی ہے، مولانا کے ہر درس میں عقل ودماغ کو نئے مواد ملتے، ہر مجلس میں علم وادب کی نئی معلومات حاصل ہوتیں" (مضمون ایک مثالی معلم کی کہانی ایک شاگرد کی زبانی: ڈاکٹر اکرم ندوی)

مولانا نے تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی عظیم ترین خدمات انجام دی ہیں، تاریخی، تنقیدی، فکری موضوعات پر آپ کا

قلم رواں دواں تھا، تاریخ الأدب العربي، العصر الجاهلي، عربی زبان وادب کی تاریخ آپ نے تحریر فرمائی، جس میں عرب اور اہل عرب، عربی زبان وادب کی روایت، شعر اور نثر اور اس کے ساتھ ساتھ عظیم ترین ادبا آپ کے زیر قلم تھے، زبانوں کی تاریخ کو یوں ہی مشکل ترین فنون میں سے گردانا جاتا ہے، اور عربی زبان و ادب کی تاریخ مرتب کرنا کس درجہ مشکل کام ہے، اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے، ان کی اس کتاب کا مطالعہ اس بات کو عیاں کردے گا، کہ مولانا نے تاریخ نگاری کا حق ادا کیا ہے، اور اسی پر بس نہیں بلکہ مولانا نے جدید عربی زبان وادب کو بھی موضوع گفتگو بنایا، اور دور حاضر میں عربی ادب کی صورت حال پر روشنی ڈالی، جدید دور کے قابل ذکر ادباء اور اہل قلم کی خدمات کا ذکر کیا، اور ان کی تصنیفات پر بھی قلم اٹھایا۔

اس سلسلہ میں "أعلام الأدب العربي في العصر الحديث" آپ کی معرکتہ الآرا تصنیف ہے، مصادر العربی پر بھی آپ کی کتاب موجود ہے، اس میدان کو بھی آپ نے تشنہ نہیں چھوڑا، عربی زبان وادب میں مولانا کی خدمات بے مثل ہیں۔ مولانا نے شخصیت نگاری، سوانح وسیرت نگاری کے میدان بھی بلند ترین خدمات انجام دیں، وہ ایک عظیم سوانح نگار تھے، انہوں نے اردو اور عربی دونوں زبانوں میں سوانح لکھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو سپرد قطاس کرنے فریضہ بھی انجام دیا، اور شمائل نبوی کے ذریعہ بھی اپنے قلم کی آب وتاب اور سعادت میں اضافہ کیا، حضرت مولانا علی میاں کی زندگی اور ٹیپو سلطان کی شہید کی زندگی کو بھی بڑے سلیقہ کے ساتھ سپرد قرطاس کیا۔

مولانا محض دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات نہیں تھے، بلکہ وہ ماہر تعلیم تھے، موجودہ نظام تعلیم اور اس کہ قباحتیں و مضرتیں، قدیم نظام تعلیم اور اس کی خوبیاں وخصوصیات، مغرب پرستی، نظام تعلیم میں مغریب کی اندھی تقلید، اور مغربی نظام تعلیم کی خامیاں، اور اس نظام کا مقصد ان تمام پہلوؤں پر آپ بخوبی مطلع تھے، اور اپنی کتاب "نظام تعلیم وتربیت اندیشے، تقاضے اور حل" میں انہوں نے اس کو بھرپور طریقہ سے بیان کیا ہے، اور میدان تعلیم میں مسلمانوں کی مکمل طور پر رہنمائی کی ہے۔ مولانا نے اسلامی زندگی کے تمام پہلوؤں سے روشناس کرایا، اور واضح کیا کہ دورِ حاضر میں کس طرح عوام وخواص بے ضابطگی کی زندگی میں مبتلا ہیں، اور اسلامی زندگی جس توازن کی حامل ہونی چاہئے، وہ اس سے کوسوں دور ہیں، اس جانب تاکید کرنے کے لئے انہوں نے وہ حدیثیں مرتب کیں، جو زندگی کے توازن اور اسلامی طرز زندگی کو عیاں کرتی ہیں۔ انہوں نے عالمی مسائل کو بھی موضوع گفتگو بنایا، اور فلسطین جیسے حساس مسئلہ پر اپنی کتاب "مسئلہ فلسطین" میں سیر حاصل بحث کی ہے، اسرائیل اور اس کی دسیسہ کاریوں کا پردہ فاش کیا، اور مسئلہ فلسطین کی حقیقت کو امریکی و برطانوی دستاویزات کی روشنی میں واضح کیا، جو ان کی عالمی مسائل پر نگاہ اور تحقیقی مزاج کی بین دلیل ہے۔

مولانا کی شخصیت کے ان تمام پہلوؤں پر تحقیق وتجزیہ کے لئے وقت اور محنت شاقہ درکار ہے، ان کی کتابیں، ان کے افکار و نظریات اور ان کی خیالات کے بہت سے گوشے ہیں جن کو سمجھنے کے لئے، اور ان سے فیض اٹھانے کے لئے مزید توجہ کی ضرورت ہے، امید ہے کہ آنے والا وقت آپ کی شخصیت کے مزید پہلوؤں کو نمایاں کرے گا، اور لکھنے والے ان کے بلند افکار ونظریات سے آسودگی حاصل کریں گے۔

آپ ملت اسلامیہ کے عظیم فرزند تھے، خدا کرے کہ ان کی آنے والی نسل ان خصوصیات کی حامل اور خانوادہ حسنی کی روایتوں کی امین ہو، اور ان کے مشن کو مزید آگے بڑھانے میں کامیاب ہو، آج جس طرح آپ کے بچے تصنیف وتالیف کے کام مشغول ہیں، اس سے یہ واضح امکان موجود ہے کہ اس خانوادہ کا فیضان آئندہ بھی اسی آب وتاب کے ساتھ بھی جاری رہے گا۔

شمعِ روشن بجھ گئی بزمِ سخن ماتم میں ہے

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

(کچھ یادیں، کچھ باتیں)

مفتی محمد زبیر ندوی (بہرائچ) رابطہ: 9029189288

اخلاص وعمل کا پیکر آبدار، تواضع وانکساری کا آئینہ دار، عربی زبان وادب کا درشاہوار، علم وفضل کا یگانۂ روزگار، ممتاز ادیب، باکمال مربی، خانوادہ حسنی وحسینی کا چشم وچراغ، لاکھوں دلوں کی دھڑکن، بڑوں کا منظورِ نظر، خردوں کا مشفق وغم خوار اور گوناگوں اوصاف وخصوصیات، امتیازات وکمالات کا آفتابِ تاباں اور ماہتاب درخشاں کل صبح اس وقت غروب ہوکر دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف روپوش ہوگیا، جب مادی ماہتاب اپنی تمام تر شان بان کے ساتھ سیاہی کی چادر اوڑھ کر رختِ سفر باندھنے اور آفتابِ عالم تاب دور مشرق کی کوخ کو چیر کر نکلنے کے لیے بے تاب تھا۔

انا للہ و انا الیہ رجعون.

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد تعلیمات، مایہ ناز صاحبِ قلم وصاحب طرز ادیب، مجلّہ الرائد کے رئیس التحریر، مولانا سید واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہندوستان کی مردم خیز بستی تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہوئی، ابتدائی تعلیم کے بعد تمام تر تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں پائی، یہیں سے عالمیت و فضیلت اور علومِ ادبیہ میں کمال حاصل کیا، پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انگریزی زبان وادب میں بی اے کیا، اور پھر مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہوکر اور اپنے برادر مکرم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم العالیہ کی صحبت خاص میں رہ کر کمال کی ان بلندیوں تک پہنچ گئے جہاں کم ہی لوگ پہنچ سکتے ہیں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ فضل وکمال اللہ تعالیٰ اپنے انہیں بندوں کو دیتا ہے جن سے خدا کو کام لینا منظور ہوتا ہے کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا کی خصوصیات تو بے شمار ہیں، انہیں اس مختصر سے مضمون میں سمونا ممکن نہیں، لیکن چند اہم خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ مولانا تواضع وانکساری کے پیکر مجسم تھے، اتنے عظیم خاندان سے نسبت اور ذاتی قابلیت وصالحیت کے باوجود نہایت سادہ رہنے کے عادی تھے، بس معمولی کپڑے، صدری اور ٹوپی میں ملبوس نظر آتے تھے، چہرے مہرے سے تو یقیناً معلوم ہوتا تھا کہ کسی عظیم خاندان کے فرد فرید ہیں؛ مگر ظاہری لباس سے قطعاً کوئی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ اس قدر عظیم شخصیت ہے، مولانا کی اسی خصوصیت کی بناء پر جب بھی مولانا پر نظر پڑتی عربی شاعر کا یہ شعر بے ساختہ خانۂ ذہن میں کروٹیں لینے لگتا:

لیس الجمال بمئزر فاعلم و إن ردیت بردا
إن الجمال معادن و مناقب أورثن مجـــدا

ابھی گزشتہ مہینے کی کسی تاریخ کی بات ہے کہ حضرت مولانا سے بالمشافہ پہلی ملاقات کی، اس سے قبل ملاقات اور مصافحہ کی سعادت سے محروم رہا، کیا معلوم تھا کہ یہ پہلی ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوگی، مولانا "الرائد" کے دفتر میں بیٹھے تھے، احقر راقم الحروف اپنی تازہ تصنیف ''منتخب فتاویٰ'' لے کر خدمت میں حاضر ہوا، مختصر تعارف کے بعد اپنی تصنیف پیش کی تو برجستہ مسکرا کر کہنے لگے، بھائی ہم تو فقہ وفتاویٰ کے آدمی ہیں نہیں، مولانا نیاز صاحب وغیرہ کو دیجیے، اور پھر ایسی شفقت بھری نگاہ ڈال کر شرف قبولیت سے نوازا کہ احقر زندگی بھر اسے بھول نہیں سکتا۔

علوم ادبیہ کے اعتبار سے سیدی حضرت مولانا محمد واضح رشید ندوی علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے عربی ادب میں دست گاہ کامل عطا

فرمائی تھی، آپ خود اپنے انداز تحریر کے موجد تھے، زبان میں شیرینی و شگفتگی کے ساتھ مضامین میں بندش، بالکل منطقی انداز کی ہوا کرتی تھی، ایسا لگتا تھا کہ گویا ایک ہی ہار کی مختلف لڑیوں میں یاقوت اور زمرد کو پرو کر کسی ماہ رخ کی جبین ناز پر جھومر بنا کر رکھ دیا ہو، جس کی چمک دمک سے رخ تاباں روشن سے روشن تر ہو گیا ہو، آپ "الرائد" کے مستقل مضمون نگار تھے، زمانہ طالبعلمی میں مجھ جیسے ہزاروں طلبہ کو، تین حضرات مولانا عبداللہ حسنی ندوی مرحوم، مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی اور بالخصوص حضرت مولانا واضح رشید ندوی علیہ الرحمہ کے مضامین کا شدت سے انتظار رہتا تھا، مجھے نہیں یاد پڑتا کہ مولانا کی کوئی تحریر پڑھی ہو اور الفاظ کی ڈائری میں اضافہ نہ ہوا ہو، ہر مضمون میں جدید الفاظ، نئی تعبیرات، خوبصورت سے خوبصورت جملے نجوم ضوفشاں کی مانند نکھرے اور بکھرے نظر آتے، یاقوت کی مثل تراشے ہوئے مختصر مگر جامع اقتباسات اس قرینے سے ہوتے کہ بس پڑھنے والا سر دھنے اور تحریر کی رو میں بہتا چلا جائے۔

مولانا کی علمیت کا ایک کمال یہ بھی تھا کو مولانا نے اپنے قلم کو کبھی محض ادب نوازی یا عبارت آرائی کے لیے استعمال نہیں کیا؛ بلکہ سطر سطر اور حرف حرف دین اسلام کی خدمت، اور باطل کی تردید کے لئے وقف کر رکھا تھا، چونکہ دور جدید مادیت پرستی اور یورپ سے مرعوبیت کا دور ہے، باطل کے سامنے خم ہونے اور مغربی تہذیب وتمدن کو اپنے گلے لگا لینے کے لئے دنیا بیتاب ہے، اس لئے اس گمراہی کو دیکھتے ہوئے مولانا نے اپنی تحریر وتقریر کا موضوع اسی پھوڑے پر نشتر لگانے اور نوک قلم سے کچوکے لگانے کو بنا رکھا تھا، آپ کی اکثر تحریریں یہود ونصاریٰ کی تردید، ان کے عزائم اور پلاننگ سے متعلق ہوتی تھیں، اس لئے جہاں قاری کو زبان دانی کے لعل و گہر ہاتھ آتے، وہیں اخبار عالم سے بخوبی واقفیت بھی ہو جاتی، ہم طلبہ کے لیے تو یہ نہایت ہی مفید ثابت ہوتا مولانا نے اپنی تصنیفی اور علمی زندگی کی جو یادگاریں چھوڑی ہیں وہ ان شاء اللہ انہیں دوام بخش دیں گی، مولانا کی تمام تر تصنیفات نہایت عمدہ اور طالب علموں کے لئے حرز جاں بنانے کے لائق ہیں۔

انسان کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے حسن اخلاق سے خویش و بیگانہ سب کو متاثر کرے، اس کی زندگی کسی ایک زاویہ میں محدود نہ ہو، انسان صرف اپنی زندگی جینے اور اپنی دنیا میں مگن رہنے کے بجائے قوم وملت کا غم اور ملک وملت کا درد رکھے، مولانا میں بھی یہی صفت تھی، پوری زندگی خاموش لسانی، قلم کی روانی اور ملت کی رہبری میں گزار دی، گویا علامہ اقبال کے مشہور شعر:

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

کا مصداق تھے، افسوس کہ آج آپ ہمارے درمیان نہیں رہے، ایک دردمندانہ اور غیور دل کے ساتھ اپنی عمر فانی کی بہاریں دیکھ کر ہمیشہ کے لیے اپنے خالق حقیقی کے پاس چلے گئے، خود تو آنکھیں بند کر لیں مگر لاکھوں لوگوں کی آنکھیں کھول دیں، خود تو ملت کے درد سے رو رو کر آخر کار آنکھیں پونچھ لیں؛ لیکن لاکھوں فرزندان اسلام کو رلا کر چلے گئے اب حال یہ ہے کہ:

کون ایسا ہے جسے دست ہو دل سازی میں
شیشہ ٹوٹے تو کریں لاکھ ہنر سے پیوند

ندوہ جو علم وادب کا میکدہ تھا اب غم کدہ بنا ہوا ہے، وہ اپنے ایک عظیم سپوت سے محروم ہو گیا، حسنی خاندان جو ہر درد کی دوا اور ہر غم کا مداوا تھا اب خود غمزدہ ہو گیا کہ اس کا:

ایک چراغ اور بجھا، اور بڑھی تاریکی

بس خدا تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ پورے خاندان کو بالخصوص رہبر ملت حضرت اقدس مولانا رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم العالیہ کو صبر جمیل عطا فرمائیں، ندوہ کو نعم البدل عطا فرما کر ابنائے ندوہ کی صبر و شکیبائی کا سامان فراہم کریں، اور حضرت مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین

عالم گیر ماتم

اہم شخصیات اور اداروں کی تعزیت کا مختصر جائزہ

مرتب: مولانا محمد حنیف قاسمی

حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ کے انتقال پر ملال کے موقع پر پورے عالم اسلام اور دنیائے علم و ادب کی نامور شخصیات کی جانب سے تعزیت کی گئی، ان اکابرین میں مولانا سید ولی رحمانی، مرکزی تبلیغی جماعت کے مولانا احمد لاٹ ندوی، مولانا محمد ابراہیم رکن شوری ندوۃ العلماء، مفتی ابراہیم اچھودوی گجرات، مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم اعلی، دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولانا ابو القاسم نعمانی، دار العلوم گودھرا گجرات کے ذمہ داران شامل ہیں، ان کے علاوہ علامہ یوسف القرضاوی قطر، مولانا جاوید اشرف ندوی مدینہ منورہ، علامہ قرہ علی داغی قطر، مفتی محمد تقی عثمانی، ڈاکٹر تقی الدین مظاہری ندوی ابوظہبی، ڈاکٹر سعید الرحمن فیضی کناڈا، ڈاکٹر ضیاء عبداللہ جدہ، مولانا جلال الدین عمری نے بھی تعزیت ادا فرمائی، ذیل میں چند اہم شخصیات کے کلمات تعزیت پیش کئے جارہے ہیں۔

☆

علم وادب کی دنیا میں ایک بڑا خلاء

دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی نے کہا کہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، ندوۃ العلماء کے اہم اساتذہ میں سے ایک تھے جن کے علم سے دنیا مستفید ہورہی تھی، ان کے انتقال سے علم وادب کی دنیا میں ایک بڑا خلا پیدا ہوا ہے مولانا نے ان کے انتقال کی خبر سنتے ہی مولانا رابع حسنی ندوی کو تعزیتی فون کیا اور بتایا کہ دار العلوم دیوبند میں ان کے لئے ایصال ثواب کرایا جارہا ہے۔ انھوں نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم ایک جید عالم تھے، اللہ تعالی ان کو اپنی جوار رحمت میں اعلی مقام عطا فرمائے۔

(حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی، مہتمم دار العلوم دیوبند)

☆

قابل رشک موت

موصوف سے مجھے قلبی روحانی تعلق تھا، اپنے آپ کو تسلی دے رہا ہوں، کہ جب دنیا میں نبی نہیں رہے، تو ولی کیا رہیں گے؟ جانا سب کو ہے، لیکن بعض خوش نصیبوں کا جانا بہت قابل رشک ہوتا ہے، موصوف محترم بھی چلتے پھرتے باوضو دنیا سے تشریف لے گئے، جب سے اطلاع ملی ہے، مسلسل دعا اور ایصال ثواب کی توفیق مل رہی ہے، حق تعالی ان کے درجات بلند فرمائے۔

(حضرت حکیم محمد کلیم اللہ، جانشین محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہم کے نام پیغام سے ماخوذ)

☆

قابل رشک موت

ایک تعزیتی نشست میں ڈاکٹر محمد مہنا نے مرحوم کی وفات کو علمی وادبی دنیا کے لئے ایک ناقابل تلافی خسارہ قرار دیا، اور کہا ان کی تحریریں بہت اعلی معیار کی حامل ہوتی تھیں، اور مغرب کی اسلام کے خلاف ہرزہ سرائیوں کی تردید کو وہ بہت دلکش اور اچھے انداز میں پیش کرتے تھے، وہ عالم اسلام کے ممتاز ادیبوں میں تھے۔ جامعہ ازہر میں بعد نماز جمعہ ان کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا اور غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اس موقع پر جامعہ ازہر میں زیر تعلیم فارغین ندوہ اور ہندوستانی طلباء نے شرکت کی۔

(جامع ازہر مصر کے شیخ الجامعہ کے مشیر خاص ڈاکٹر محمد مہنا)

☆

وہ عالم اسلام کے چنیدہ ادیبوں میں تھے

حضرت مولانا واضح صاحب کا داغ مفارقت ہم سب کے

لئے بڑا صدمہ اور خسارہ ہے، بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا، ان کی علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں، جل جلالہ ان کی تمام خدمات کو قبول فرما کر اپنی محبوبیت اور رفع درجات کا سبب بنائے، میں اپنی چشم نم سے آپ سبھی احباب کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں۔

(ابواحمد محمد فرقان نعمانی، خاکسار حرم مکہ مکرمہ)

☆

عربی زبان کی گراں قدر خدمات

جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے اسکول آف لینگویج کے سیمنار ہال میں شعبہ عربی کی طرف سے ایک تعزیتی جلسہ کا انعقاد ہوا، جس کی صدارت مرکز برائے عربی افریقی مطالعات کے صدر پروفیسر بشیر احمد جمالی نے کی، انھوں نے کہا کہ ہندوستان میں مولانا واضح رشید نے عربی زبان کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، آپ بیک وقت تین زبانوں عربی، اردو اور انگریزی پر عبور رکھتے تھے، اور اسلامی موضوعات پر مسلسل لکھتے تھے۔ واضح ہو کہ ۲۰۱۵ء میں مولانا واضح رشید ندوی کی عربی تالیفات پر جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں پروفیسر مجیب الرحمٰن کی نگرانی میں ایم فل کا مقالہ لکھا جا چکا ہے۔

(پروفیسر بشیر احمد جمالی، جواہر لال یونیورسٹی، دہلی)

☆

بیدار فکر اور سیال قلم کے مالک تھے

اللہ تعالی نے استاذ محمد واضح رشید ندوی رحمہ اللہ کو عربی زبان میں لکھنے کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، وہ اس دور کے نمایاں علماء میں سے ایک تھے، جن کی ہندوستان اور بیرون ہند کے علمی، دینی اور اجتماعی حلقوں میں خاص شہرت تھی، وہ بیدار فکر اور سیال قلم کے مالک تھے۔

(ڈاکٹر عزالدین بن زغیبۃ
صدر مرکز جمعۃ الماجد للثقافۃ والتراث دبئی)

☆

تصنع بناوٹ کرنا بھی چاہیں تو بن نہ آئے

مولانا اسوہ نبوی کا بہترین نمونہ ہیں آپ کی زندگی مثالی تھی، نماز واذکار کے پابند تھے، زہد وتقویٰ شعار تھا، تواضع وانکسار مزاج پر غالب تھا، کم آمیزی اور کم گوئی طبیعت ثانیہ تھی، عیب جوئی کا گذر نہیں تھا، ریاکاری اور نام ونمود سے کوسوں دور تھے، بلکہ اگر تصنع و بناوٹ کرنا بھی چاہیں تو بن نہ آئے، ایسی گونا گوں صفات کی حامل شخصیت کا انتقال بڑا خسارہ ہے۔

(ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، آکسفورڈ، یوکے)

☆

کناڈا میں تعزیتی خطاب

الندوہ ایجوکیشنل اسلامک سنٹر، رچمنڈ ہل، انٹاریو کنیڈا میں ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی کی ایما پر ایک تعزیتی نشست کا انعقاد عمل میں لایا گیا، جس میں عالم اسلام کی مشہور ومعروف دانش گاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق معتمد تعلیمات محترم مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ کی حیات وخدمات پر ناچیز نے انگریزی میں خطاب کیا، اور دعائے مغفرت کی گئی۔

(ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین تماندار
سابق فزیشین حرم مکی شریف، مقیم انٹاریو کناڈا)

☆

ناقابل فراموش کارنامے

مکمل ایک صدی کے طویل عرصہ میں مولانا واضح رشید حسنی جیسی گنی چنی شخصیات ہی پیدا ہوتی ہیں، جن کے علم وفضل کی روشنی پورے عالم میں پھیلتی ہے، جو دانشوروں اور اہل علم کے لئے سنگ میل ثابت ہوتی ہے، اور عربی ادب اسلامیات اور عربی صحافت میں مولانا کے جو کارنامے ہیں وہ بلاشبہ ناقابل فراموش ہیں۔

(پروفیسر وزیر حسن
صدر شعبہ عربی، بنارس ہندو یونیورسٹی)

نسیم ہدایت کے جھونکے

ایک یہودی نوجوان
ناصر محمود بن جابر سے ایک ملاقات

زبان و بیان: قاری حنیف ڈار صاحب
فیس بک سے ماخوذ

[دوسری قسط]

ایک ہمدردانہ ڈسکشن کے بعد اب میرے سوالات ذرا تیکھے ہونا شروع ہوئے اور میں نے اپنے اشکالات پیش کرنا شروع کئے، میں نے محسوس کیا کہ یہودی عالم ہی نہیں بلکہ ہر مذہب کی مذہبی قیادت ایک جیسی ہی سوچ کی حامل ہوتی ہے، آپ کے سوال کا ایک ہی جیسا رٹا رٹایا جواب دیا جائے گا، جواب دینے میں کبھی آپ کے کیلیبر اور آئی کیو کو مدنظر نہیں رکھا جائے گا، میں نے قرآن کی طرف سے دیا گیا جواب: **ما کان ابراھیم یھودیاً ولا نصرانیاً ولکن کان حنیفاً مسلماً** ’’ان چیف ربی صاحب کے سامنے رکھا، اور یہ کہ ’’آگ ہمیں نہیں چھوئے گی، عذاب آخرت ہمیں نہیں ہوگا‘ پر قرآنی جواب، **قل فلم یعذّبکم بذنوبکم**؟ پھر وہ دنیا میں تمہیں بار بار عذاب عظیم میں مبتلا کیوں کرتا رہا؟ لوگوں کا عذاب، آخرت پر مؤخر کر دیتا ہے، تمہیں نقد کیوں دیتا رہا، کہنے لگے ہمیں دنیا میں دے دیتا ہے، اس لئے آخرت میں نہیں دے گا، میں نے کہا مگر اللہ تو کہہ رہا ہے کہ : **ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم.**

اس پر انہیں شک ہونا شروع ہوا کہ شاید میں مسلمان ہو چکا ہوں، کیونکہ عام یہودی نہ قرآن پڑھتا ہے نہ ان باتوں کا اسے علم ہوتا ہے اور نہ قرآن کی بات کو سچ سمجھتا ہے، انہوں نے سوال کیا کہ کیا آپ مسلم ہو چکے ہیں، میں نے اعتراف کیا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، کہنے لگے یہ خیانت ہے کہ آپ نے یہودی بن کر اپنا تعارف کروایا، میں نے کہا جناب آپ نے خود تسلیم کیا کہ یہودی کے جینز تبدیل نہیں ہوتے، چاہے کسی مذہب میں چلا جائے، میں نے اپنا جینیٹکل تعارف کروایا تھا، نظریاتی نہیں۔

اگلی ملاقات قم کے منتظری صاحب سے ہوئی جن سے میں نے ان شیعہ عقائد پر بات کی جن کے بارے میں مجھے یزدانی نے بتایا تھا، منتظری صاحب سے وقت لینا بھی ایک مسئلہ تھا، وہ ان دنوں حکومت کے زیر عتاب تھے،، کبھی ہاؤس اریسٹ تو کبھی جیل، خمینی صاحب سے ان کی کھٹ پٹ چل رہی تھی، آدھا ایران خمینی صاحب کے پیچھے تھا تو آدھا منتظری صاحب کے ساتھ، آیت اللہ منتظری وہ شخصیت تھے جنہوں نے خمینی صاحب کی عدم موجودگی میں تحریک کو سنبھالا تھا اور شاہ ایران کی ہر دھونس اور دھاندلی کا مقابلہ کیا تھا، آیت اللہ خمینی پکی پکائی پر تشریف لائے تھے اور اب آیت اللہ منتظری صاحب کا آیت اللہ کا ٹائٹل بھی ختم کرنا چاہتے تھے تا کہ ان پر مقدمہ چلایا جا سکے، جن لوگوں نے خمینی صاحب کو پردیس میں سنبھالا تھا، فنڈز کا بندوبست کیا تھا نیز آیت اللہ کا ایک سافٹ امیج دنیا کو دکھایا تھا، امام خمینی صاحب نے سب سے پہلے ان ہی کا صفایا کر کے اس ضرب المثل کو سچ کر دکھایا کہ انقلاب سب سے پہلے اپنے بچے کھاتا ہے،، صادق قطب زادہ، بنی صدر وغیرہ کا گھونٹ بھرنے کے بعد آج کل سختی منتظری صاحب کی آئی ہوئی تھی مگر منتظری بھی آیت اللہ تھے، اور لوگوں کے محبوب، مقابلہ برابر کا تھا مگر پاسداران خمینی صاحب کے ساتھ تھے کیونکہ ان کی حیثیت امام کے ذاتی گارڈز کی تھی!

آدھا گھنٹہ وقت ملا اور شرط یہ کہ سوال پہلے لکھ کر دیں، یزدانی کے ساتھ مشورہ کے بعد ٹوٹل تین سوال لکھے گئے مگر اس وضاحت کے ساتھ کہ ان تین سوالوں پر مزید سوال جواب ہو سکیں گے، اسلام کی دعوت جو ایک یہودی کو پیش کی جائے گی۔ (اصل میں ملاقات کا وقت ہی اس بات پر دیا گیا تھا کہ ایک یہودی

خاندان کا جوان آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہے، مگر کچھ وضاحتیں درکار ہیں) اسلام میں اختلافات کی حد اور عبادات کا فرق، اجازت کے بعد داخلہ ہوا، میری فائل جس میں میرے پاسپورٹ کی کاپی اور تفصیل درج تھی ان کو ایک دن پہلے پہنچا دی گئی تھی جو کہ ان کے سامنے موجود تھی، نشست کا اہتمام نیچے قالین پر تھا اور بہت بارعب اور باادب ماحول تھا،، سلام دعا ہوئی، یزدانی میرا ترجمان تھا، وہ برطانوی لہجے میں انگلش بولتا تھا اور ایرانی لہجے میں فارسی،، میں آج تک فیصلہ نہیں کر پایا کہ یزدانی کی انگلش دلکش ہے یا فارسی،، فارسی اتنی میٹھی زبان ہے کہ نہ سمجھ آنے کے باوجود بھی یزدانی کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹتیں۔

آپ اسلام کی دعوت کیسے پیش کریں گے، یعنی مجھے مسلمان بنانے کے لئے کیا شرط پیش کریں گے؟ میں نے پوچھا

اللہ کی توحید کی شہادت، محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی، علی کی ولایت کی گواہی اور ان کے خلیفہ بلافصل ہونے کا اقرار۔ جواب ملا

سوال: کیا محمد ﷺ خود بھی ان ہی شرائط پر مسلمان کرتے تھے؟

جواب: جی نہیں!

اسلام: وہ کس پیکیج پر اسلام قبول فرماتے تھے؟

جواب: اللہ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت، فرشتوں اور کتابوں پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر ایمان!

سوال: پھر آپ نے یہ اضافی شرائط میرے ایمان کے لئے کیوں لگائی ہیں، کیا اُتنا ہی کافی نہیں تھا جتنا نبی ﷺ نے بتایا تھا؟

جواب: یہاں اس ملک کے عرف کے مطابق یہ شرائط ہیں اگر آپ کو منظور نہیں تو آپ جا سکتے ہیں!

سوال: آپ کے امام خمینی صاحب کے ساتھ اختلافات ہیں، زیر حراست بھی رہتے ہیں،، گھر پر بھی نظر بند کیا جاتا ہے اور نقل وحرکت، تقریر وتحریر پر بھی پابندی ہے، یہاں تک کہ جمعہ کا خطبہ بھی نہیں دے سکتے، ان سب اختلافات اور تنگیوں تکلیفوں کے باوجود آپ کے اور امام صاحب کے عقیدہ میں کوئی فرق پڑا؟

جواب: جی نہیں!

سوال: عبادت کے طریقے مختلف ہوئے؟

جواب: بالکل نہیں! یہ سیاسی اختلافات ہیں ان کا دین کے ساتھ کیا تعلق؟

سوال: اچھا جناب، آپ کہتے ہیں کہ، آپ کے سیاسی اختلافات کے اثرات ان کے عقیدہ پر کیسے مرتب ہو سکتے ہیں اور ان کے طریقِ عبادت میں اختلاف کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے؟ تو کیا اُن (اصحاب رسول) میں آپ جتنا صبر اور شعور بھی نہیں تھا، پھر ان کے سیاسی اور خاندانی جھگڑوں کی بنیاد پر دین کی تقسیم کیوں کی گئی؟ جیسا ابھی آپ نے مجھے کہا کہ مسلمان ہونے کے لئے علیؓ کی خلافت بلافصل کا اقرار کروں درآں حالے کہ وہ بلافصل قائم ہی نہیں ہوئی، چوتھے مقام پر جا کر قائم ہوئی، گویا میں اپنے اسلام کی ابتدا ہی جھوٹ سے کروں! جب حضرت امام حسینؓ کا محاصرہ جاری تھا کربلا میں، تو یزید کا لشکر حر سمیت سارے کا سارا امام حسینؓ کی امامت میں نمازیں پڑھتا رہا؟

جواب: جی بالکل سات دن وہ لوگ امام معصوم کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہے!

سوال: کیا آپ یہ تسلیم نہیں کر رہے کہ سیاسی اختلاف کے باوجود ان لوگوں کی نماز کا طریقہ اور اوقات ایک ہی تھے اور ان میں دین کا کوئی جھگڑا نہیں تھا؟

یہاں انھوں نے پہلے اپنے سکریٹری سے کچھ کہا جس نے میری فائل کھول کر ان کے سامنے کی جس کو انہوں نے دوبارہ غور سے دیکھا، پھر یزدانی سے فارسی میں کہا کہ کیا یہ پہلے مسلمان ہو چکا ہے؟ یزدانی نے کہا کہ "مجھے اس نے اسلام قبول کرنے کو کہا تھا" مگر اس نے اسلام کو اچھی طرح پڑھا ہوا ہے۔

سوال: کیا آپ اس قرآن کو حقیقی اور اصلی قرآن مانتے ہیں؟

جواب: بالکل ہم اس کو اللہ کا کلام مانتے ہیں اور اس کی تلاوت کرتے ہیں، مگر یہ پورا نہیں ہے، اس کا کچھ حصہ گم شدہ ہے

سوال: وہ حصہ کہاں ہے؟

جواب: ہمارے بارہویں امام کے پاس ہے جو غائب ہیں اور ہم منتظر!

سوال: اس دوران جو لوگ دنیا میں پیدا ہو کر کافر مر رہے ہیں ان کا ذمہ دار کیا وہ امام نہیں جو قرآن لے کر ہی نہیں آرہا تا کہ اتمام حجت ہو؟

جواب: اتمام حجت موجودہ قرآن کے ساتھ بھی ہو جاتا ہے کیونکہ عقائد تمام اس میں بیان ہو گئے ہیں، کچھ سیاسی و انتظامی معاملات کے بارے میں حصہ کم ہے، جو سیاسی غلبہ کے بعد ہی امام نکلیں گے تو لاگو ہوگا!

سوال: تو کیا آپ میرا اسلام اللہ کی توحید اور نبی ﷺ کی رسالت کی شہادت پر قبول نہیں کریں گے؟

جواب: جو سرٹیفیکٹ ہم آپ کو دیں گے یہ پوری عبارت اس میں درج ہے اور اس کی عبارت میں کوئی تبدیلی کرنے کا میں مجاز نہیں ہوں، یہ مجلس خبرگان کا کام ہے، اگر آپ پوری عبارت سے اتفاق نہیں کرتے تو پھر ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مجلس برخواست ہوئی اور منتظری صاحب گھر کے اندر اور ہم ان کے دفتر سے باہر نکل آئے۔

منتظری صاحب سے ملاقات کے بعد اگلے دن تہران میں ایک صوفی صاحب کے یہاں حاضری ہوئی، بہت سارے لوگ موجود تھے کچھ تو اپنے جسمانی عوارض اور کچھ معاشی مشکلات، کچھ جن جنات اور جادو والے لوگ تھے، البتہ ایک انتظام میں نے پہلی دفعہ دیکھا جو کہ پیر منگھو کے یہاں نہیں دیکھا تھا کہ خواتین کا الگ پورشن تھا، درمیان میں پردہ تھا خواتین پردہ کے پیچھے سے سوال کرتیں اور یہ بزرگ نہایت دھیمی آواز میں ان سے کچھ کہتے یا ہدایات دیتے تھے،، اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے، تعویذ دیتے میں نے کسی کو نہیں دیکھا، مردوں سے انہوں نے نماز کی پابندی کا کہا، تقریباً ہر آدمی کو کہتے کہ نماز کی پابندی کرو اور فلاں نماز کے بعد یہ پڑھو اور فلاں کے بعد یہ، عشاء کے بعد سونے سے پہلے 100 دفعہ استغفار پڑھ کر سوؤ، آخر میں انہوں نے کہا کہ مسائل سے متعلق کوئی سوال ہیں تو کر سکتے ہیں! لوگ مسائل پوچھتے رہے اور وہ جواب دیتے رہے، ہمت کر کے میں بھی اٹھا اور سوال کیا کہ ''جہنم کیا ہے اور جنت کیا ہے؟ یزدانی نے جھٹ سے ترجمہ کر دیا، مگر بزرگ نہ تو میری انگلش پر چونکے اور نہ ہی انہوں نے میری بات سنی، نہ ترجمہ پر کوئی غور فرمایا، بلکہ یوں لگا گویا میرا اور یزدانی کا وجود اس مجلس میں تھا ہی نہیں۔

بلکہ انہوں نے پھر مجمع سے ہی سوال کیا کہ ''اور کچھ'' میں نے پھر اپنا سوال دہرایا،، انہوں نے نہ میری طرف دیکھا اور نہ یزدانی کے ترجمہ کا کوئی نوٹس لیا اور پھر مجمع ہی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو آپ کو اور کوئی سوال نہیں کرنا، اب میں تقریباً عصبی ہو چکا تھا، میں نے غصے سے کہا کہ میری بات کا جواب دیں! اب انہوں نے مجھے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ اپنا سوال دہراؤ! میں نے کہا کہ جہنم کیا ہے اور جنت کیا ہے؟ انہوں نے انتہائی مختصر مگر جامع جواب دیا! فرمایا ''جب میں نے تمہاری طرف توجہ نہیں دی تھی تو تم جس کیفیت سے گزر رہے تھے، وہ تیری جہنم تھی اور جب میں نے تیری طرف توجہ کی اور تو نے راحت محسوس کی یہ تیری جنت ہے،، یہ جہنم اور جنت تیری اور میری نسبت سے تھی، رب جس سے اعراض برتے گا اور توجہ نہیں دے گا' **ولا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولا ینظر الیھم ولا یزکیھم 'ولھم عذاب الیم**' تو وہ جس عذاب سے گزریں گے وہ اللہ کی عظمت کی نسبت سے ہوگا، اسی طرح جن کی طرف اللہ پاک توجہ فرمائے گا تو وہ راحت بھی اللہ کی عظمت کی نسبت سے ہوگی اور وہ ان کی جنت ہوگی، اللہ کا پیار سے دیکھنا خالی نہیں جائے گا جو راحت محسوس ہوگی وہ مجسم بھی ہو جائے گی وہ تیری جنت ہوگی، اور جن سے وہ اعراض برتے گا یا غضب کی نگاہ سے دیکھے گا وہ غضب مجسم بھی ہوگا اور وہ ہی اس کی جہنم ہو گی۔ جواب اتنا مدلل تھا کہ مانے بغیر چارہ نہ تھا اور چونکہ میں ابھی تجربہ سے گزرا تھا، اس لئے اثر بھی کچھ زیادہ ہوا آپ کو بھی کبھی احساس ہوا ہوگا کہ محبوب کی ناراضگی کے بعد بستر راحت بھی کانٹوں کا بستر بن جاتا ہے! اور وسوسوں کے سانپ ڈستے رہتے

ہیں کہ کس بات نے اسے بدظن کیا ہوگا، کبھی ایک خیال آتا ہوگا اور کبھی دوسرا، یہ سانپ بچھو ہم ادھر سے ہی لے کر جائیں گے، اللہ کی رضا سب سے بڑا انعام ہے اور اللہ کا غصہ سب سے بڑا عذاب!

اگلے دن والد صاحب کا پیغام ملا فوراً واپس پلٹو ایمرجینسی ہے! جھٹ پٹ ٹکٹ لیا اور تہران سے دبئی اور پھر لندن کو واپسی ہوئی، سارے پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے، گھر میں داخل ہوتے ہی ماحول میں اداسی کا احساس ہوا، پتہ چلا والدہ صاحبہ کو جگر کا کینسر تشخیص ہوا ہے اور وہ بھی آخری اسٹیج پر، والدہ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی، میں جس طرح چھوڑ کر گیا تھا، وزن اس سے آدھا ہو چکا تھا، رہ رہ کے خیال آتا شاید میرا اس طرح گھر سے چلے جانا، اس داغِ جگر کا سبب نہ بنا ہو! میرا دل چاہتا تھا کہ والدہ مسلمان ہو جائیں اور اسلام ہمارے خاندان کو ٹیک اوور کر لے، مگر والدہ کی تمنا ایک روایتی ماں والی تھی یعنی مرنے سے پہلے بیٹے کا سہرا دیکھنے کی، لڑکی ہمارے خاندان سے ہی تھی اور مذہب کے معاملہ میں کسی حد تک میری ہم خیال بھی تھی، کیونکہ ہم دونوں کلاس فیلو بھی تھے،، مجھے امید تھی کہ وہ بھی مسلمان ہو جائے گی، رہ گئیں والدہ تو ان کے اسلام کی راہ میں والد صاحب کا پہاڑ کھڑا تھا، وہ ایک روایتی گھریلو خاتون تھیں جنہوں نے اپنی ذات کو شوہر میں گم کر دیا تھا، میں نے جب ان سے اسلام کی بات کی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں مرتے مرتے تیرے باپ کی نافرمانی نہیں کرنا چاہتی۔

آخر کار میں نے اللہ کا نام لے کر اس پہاڑ کو خود سر کرنے اور والد صاحب سے بات کرنے کا فیصلہ کیا، والدین ہماری نفسیات کی رگ رگ سے واقف ہوتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اللہ کے بعد ہماری ذات کے سب سے زیادہ واقف ہمارے والدین ہوتے ہیں،، ادھر ہمیں کوئی خیال آیا نہیں کہ ان کی چھٹی حس نے ان کو بتایا نہیں، آپ کے دکھ، درد اور بے چینی کو محسوس کرنے کے لئے انہیں آپ کے بتانے یا الفاظ دینے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ہماری ذات کی مین برانچ ہوتے ہیں، ہماری ساری ٹرانزیکشن انہیں کے ذریعے ہوتی ہے، جونہی میں والد صاحب کے پاس جا کر بیٹھا، انہوں نے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی اور جان لیا کہ میں ان سے کوئی اہم بات کرنا چاہتا ہوں، وہ ایک منجھے ہوئے سفارت کار تھے اور انسانی کیمسٹری سے آگاہ! فرمانے لگے کیا کچھ سیکھا ہے؟ میں نے کہا وہ سب کچھ جس کے لئے آپ نے مجھے پاکستان تجویز کیا تھا! البتہ میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ امی جان مرنے سے پہلے مسلمان ہو جائیں، مگر وہ آپ کی رضامندی لئے بغیر یہ کام نہیں کر پائیں گی، وہ مرتے مرتے آپ کی نافرمانی نہیں کرنا چاہتیں، اگر آپ اجازت نہیں دیں گے تو اپنے ساتھ دوسری جان کا بوجھ بھی آپ کو اٹھانا پڑے گا، میں نے زندگی بھر آپ سے کبھی کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا، مگر اب میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ اسلام کو اسٹڈی کریں اور دو چار دن میں کوئی فیصلہ کر لیں، اس سلسلہ میں جو بھی وضاحت طلب باتیں ہوں وہ آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں مگر مجھے امید ہے کہ یہ دو کتابیں پڑھ لینے کے بعد آپ کو اسلام کے بارے میں تو کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔

البتہ یہودیت کے بارے میں شاید کچھ ڈسکشن کرنا چاہیں تو میں اس پر بھی بات کر لوں گا، کتابیں میں نے ان کے حوالے کر دیں اور والد صاحب ان کتابوں کو لے کر اپنے کمرہ میں مقید ہو گئے، یہ ان کی پرانی عادت تھی جب بھی کوئی اہم فیصلہ کرنا ہوتا تھا تو وہ کھانے پینے کا بندوبست کر کے اپنے کو اپنے کمرہ میں قید کر لیتے اور جب تک کوئی فیصلہ نہ کر لیتے کمرہ سے نہ نکلتے، دو دن گزر گئے، ایک رات تو پوری رات ان کے کمرہ کی لائٹ جلتی رہی گویا وہ مطالعہ کرتے رہے، اگلا دن گزرا، وہ باہر نہیں آئے، ادھر والدہ شادی کی تفصیلات طے کرتی رہیں، اگلے دن شام کے بعد والد صاحب باہر نکلے اور باغیچہ میں آ کر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گئے، وہ تھکے تھکے لگ رہے تھے، آنکھیں اور چہرہ متورم تھا،، میں نے نوکر کے ہاتھ انہیں کافی بھیجی جو انہوں نے لے لی! میں والدہ کے پاس بیٹھا ان کے پاؤں دبا رہا تھا جو یخ بستہ لگ رہے تھے کہ والد صاحب آ کر میرے پیچھے کھڑے ہو گئے، میں سمجھ رہا تھا وہ کس

قیامت سے گزر رہے ہیں، اپنی اولاد سے کچھ پوچھنا یہ والدین توہین سمجھتے ہیں، میں کھڑا ہوگیا اور انہیں تھام کر والدہ کے سرہانے پڑی کرسی پر بٹھایا، میں چاہتا تھا جو کچھ وہ پوچھنا چاہتے ہیں والدہ کے سامنے ہی پوچھیں تاکہ دونوں میرے دلائل کو سن سکیں۔

والد صاحب نے کہا ہمارے جینیٹکل مذہب کا کیا بنے گا؟ کیا ہم سب سے کٹ جائیں گے؟ میں نے عرض کیا کہ ابا جان جہاں تک میں نے سوچا ہے اور نہ صرف راتوں کو جاگ کر سوچا ہے، چلتے پھرتے اور سفر میں ہر جگہ سوچا ہے کہ اس جینیٹکل مذہب کے فلسفے کے پیچھے حقیقت کیا ہے؟ میں تو اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ یہ ہمارے علماء کا اپنی علمی کمزوری کو چھپانے کا بہترین حربہ ہے اور بس! اس کا تعلق دین سے نہیں نفسیاتی جنگ سے ہے، وہ نئے آنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتے اور جانے والوں کو دلیل سے روک نہیں سکتے، لہٰذا انہوں نے یہ جینیاتی مذہب کا نظریہ گھڑ لیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جب انسان کسی چیز کو اپنی کہہ کر اپنا لیتا ہے تو پھر اس کی حفاظت اور عزت کی خاطر کٹ مرتا ہے، یہ اس کی ایگو کا مسئلہ بن جاتا ہے، یہانتک کہ وہ اپنی گائے بھینس کی توہین کو بھی اپنی ذات پر حملہ تصور کرتا ہے اور بدلہ میں قتل کر دیتا ہے، ہمارے علماء، جوان نسل کو چونکہ دلیل سے قائل نہیں کر سکتے، لہٰذا انہوں نے اس کی راہ میں تعصب کی جینیاتی دیوار کھڑی کر دی ہے۔

ابا جان جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بستی کے لوگوں پر اسلام پیش کیا تھا تو کیا وہ پوری بستی اور نمرود ان کا جینیاتی رشتہ دار تھا؟ جب یوسف علیہ السلام نے جیل میں قیدیوں پر اسلام پیش کیا تھا تو کیا وہ بنی اسرائیل کے جینیاتی رشتے دار تھے، پھر انہوں نے سارا مصر مسلمان کر لیا تو کیا مصری ان کے جینیاتی رشتے دار تھے؟ ابا جان جینز خاندان اور قوم بناتے ہیں، نظریات اور دین کا جینز کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا، نہ اللہ کا انسانوں سے تعلق جینیاتی رشتے داری کا ہے— آپ ایک ذہین وفطین آدمی ہیں، میں نے زندگی بھر آپ کو اپنا آئیڈیل بنا کر رکھا ہے، ہر جگہ ہر معاملہ میں سوچا ہے کہ میرے ابا اگر ہوتے تو وہ کیسے ری ایکٹ کرتے، اور بالکل ویسا ری ایکٹ کیا ہے، میں آج بھی یہ سمجھتا ہوں کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں گے وہ میرے آئیڈیل کو ڈیمیج نہیں کرے گا، میں آج جس جگہ کھڑا ہوں یہ سب آپ کی تربیت کا نتیجہ ہے، حق کی پیروی اور سچ کو سچ کہنے اور پھر اس پر ڈٹ جانے کا سبق میں نے آپ سے سیکھا ہے اور آج اس سبق کا پریکٹیکل آپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔

میں جانتا تھا والد صاحب دل سے قائل ہو چکے ہیں، بس اعلان کی ضرورت ہے ادھر والدہ ان کو ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنی دیکھ رہی تھیں، والد صاحب اٹھے میری کرسی کے پیچھے آئے، تھوڑا سا جھجکے اور اپنے دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ کر ہلکا سا تھپتھپایا اور بولے شام کو مسجد چلیں گے اور باہر نکل گئے یہ بھی اچھا ہوا، مرد مرد کے سامنے روتا ہوا اچھا نہیں لگتا، جونہی ابا جان باہر نکلے، میں نے اپنی کرسی سے جھک کر اپنے ہونٹ والدہ کے قدموں پر رکھ دیئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اسلام ہمارے گھر میں داخل ہوگیا تھا، میں نے کبھی اتنی بڑی نعمت کا سوچا تک نہ تھا، اب مجھے یقین تھا کہ میری بہن اور باقی بھائی بھی مسلمان ہو جائیں گے! شام کو ہم محلّہ کی مسجد میں گئے اور والد صاحب نے اسلام قبول کر لیا، ان کا اسلامی نام جابر تجویز کیا گیا، جبکہ امی جان نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اور اپنے لئے آمنہ نام پسند کیا، یہ والدہ کا ہی مطالبہ تھا کہ میں بیٹے کے ہاتھ پر ایمان لاؤں گی، اگلے دس دن شادی کے بندوبست میں لگے شادی ہوئی اور شادی کے چھٹے دن میری والدہ اللہ کو پیاری ہوگئیں میری دنیا گویا اجڑ کر رہ گئی مگر یہ تو ایک فطری پراسیس ہے، ہر ایک کو پیدا ہونے کی طرح مرنا بھی ضروری ہے،، ایک ایک کر کے میرے دونوں بھائی پھر میری بہن میرا بہنوئی بھی مسلمان ہوگئے، جبکہ یہ بتانا تو میں بھول گیا کہ میری بیوی نے بھی شادی سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا! یہ سلسلہ ابھی تک جاری وساری ہے 30 سے زیادہ عزیز مسلمان ہو چکے ہیں اور مزید کی امید رکھتا ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک اس سعی کو قبول ومنظور فرمائے، آپ سے اجازت چاہوں گا۔

خبروں کی دنیا

News World

محمد ادریس ولی اللہی

جامعہ امام ولی اللہ پھلتمیں تعزیتی نشست

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی وفات حسرت آیات کے موقع پر ۱۶؍جنوری کو جامعہ امام ولی اللہ اسلامیہ پھلت کی مسجد میں ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی، اس موقع پر ماہنامہ ارمغان کے مدیر مولانا وصی سلیمان ندوی نے اپنے تعزیتی خطاب میں کہا کہ حضرت مولانا سادگی، تواضع، اصول پسندی، انکساری، کم گوئی میں اپنی مثال آپ تھے، ان کی زندگی کے بہت سارے پہلو ایسے ہیں جن کے تعلق سے بالخصوص طالبان علوم نبوت کو دعا کرنی چاہئے کہ ان کی زندگی کا کچھ حصہ نصیب ہوجائے، حضرت مولانا نے تقوی و پرہیزگاری کی زندگی بسر کی وہ نفع رسانی پر یقین رکھتے تھے، اور بالکل بے ضرر انسان تھے، جس کی آج کی دنیا میں مثال ملنا مشکل ہے، ان کا حادثہ وفات اتنا بڑا ہے کہ اس خلا کے پر ہونے کے مدتوں تک آثار نظر نہیں آتے، اتنا بڑا مصنف، مدبر، مفکر اور ہوش مند قائد مشکل سے نصیب ہوتا ہے۔ آج کا یہ حادثہ صبر وتحمل، ایک دوسرے کو دلاسہ دینے، مولانا مرحوم کے لئے دعا کرنے اور لواحقین و متعلقین کی ڈھارس بندھانے کا ہے، اس موقع پر جامعہ کے پرنسپل مولانا محمد طاہر ندوی نے کہا کہ حادثات جس طرح سے انسان کی زندگی میں آتے ہیں کچھ حادثے تنظیموں اور جماعتوں کی زندگیوں میں بھی آتے ہیں آج کا حادثہ اسی نوعیت کا ہے، ان کا حادثہ وفات عالم اسلام کے لئے بڑا حادثہ ہے، یہ سانحہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے لئے بھی بڑا ہے کہ مرحوم صرف ایک چھوٹے بھائی ہی نہیں تھے بلکہ سفر وحضر کے ساتھی صبح وشام کے رفیق ومشیر بھی تھے، وہ صف اول کے ادیب، صحافی اور مفکر تھے، ان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے ''طاب حیاتہ و طاب مماتہ'' ضروری ہے کہ آج ہم ان کے لئے دعاء مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کریں، انفرادی و اجتماعی طور پر دعا کریں، داعی اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی کے برادر معظم ڈاکٹر محمد سلیم صدیقی نے کہا کہ مولانا مرحوم اس خانوادہ کے جلیل القدر عالم تھے جس کے اہل پھلت سے تعلقات صدیوں پر محیط ہیں اس اعتبار سے یہ حادثہ اتنا بڑا ہے کہ ایک دوسرے کی تعزیت کی جائے اور صبر ودعا کی تلقین ہو، اس موقع پر مولانا محمد شارق ندوی، مولانا محمد حیدر ندوی نے بھی تاثرات پیش کئے، پروگرام کی نظامت مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی کی، ایصال ثواب کے بعد مولانا محمد اقبال قاسمی کی دعا پر اس تعزیتی نشست کا اختتام ہوا۔

پھلت کی مدینہ مسجد میں جلسہ سیرت النبی

سیرت کمیٹی کی جانب سے پھلت کی مسجد انصاریان میں ایک اجلاس عام کو خطاب کرتے ہوئے مولانا وصی سلیمان ندوی نے کہا کہ نبی ﷺ سے محبت ایمان کا حصہ ہے، اسی حب نبوی کی بنا پر ہم پرامید ہیں کہ آخرت میں بیڑا پار ہوجائے گا، انھوں نے محبت نبوی کے حوالہ سے ستون حنانہ جیسے کئی واقعات سنائے، اور کہا آپ ﷺ سے محبت ایمان کی شرط ہے، انھوں نے کہا کھانے پینے اور دوسری تمام چیزوں میں آپ کے طریقہ اور سنتوں کو اپنانا مطلوب ہے، یہ پروگرام الحاج قاری حفظ الرحمٰن انصاری کی صدارت میں منعقد ہوا، قبل ازیں پروگرام کے کنوینر مفتی محمد عاشق نے جلسہ کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی، صدر محترم نے اس موقع پر ڈاڑھی جیسے سنتوں کو خاص پر اپنانے پر زور دیا، اور اس کے دنیوی واخروی مقاصد بیان فرمائے، شرکاء میں قاری محفوظ الرحمٰن، مفتی مجیب الرحمٰن ندوی، ڈاکٹر جنید الرحمٰن خاص طور پر موجود رہے۔

آخری صفحہ

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی

قصبہ نصیر آباد ضلع اجمیر سے ہم لوگ کار سے بیاور کا سفر کر رہے تھے، ریلوے کراسنگ پر پہنچے تو پھاٹک بند تھا، گاڑی روک کر سبھی لوگ گاڑی سے اتر کر کنارے کھڑے ہوگئے، کافی دیر تک بیٹھے بیٹھے تکان سی محسوس ہورہی تھی، تبھی وہاں ایک دوکاندار نے بڑا عجیب وغریب واقعہ بتایا، واقعہ یہ تھا کہ پرسوں ایک نوجوان لڑکا جو کسی ذمہ دار کا بیٹا تھا ایک اچھی نئی موٹر سائیکل خرید کر نصیر آباد شوروم سے لے کر چلا، بس اسٹینڈ پر اس کے ایک دوست نے نئی بائیک پر اس کو دیکھ کر سلام کیا، اور زور سے مبارک باد دی، موٹر سائیکل سوار نے بس اسٹینڈ پر دوست کو کھڑا دیکھ کر پوچھا کہ وہ کہاں جارہا ہے؟ اس نے بتایا کہ اسے بھی گاؤں ہی جانا ہے، دوست نے موٹر سائیکل پر بیٹھنے کا اصرار کیا مگر اس دوست نے اس خیال سے کہ بالکل نئی موٹر سائیکل ہے، فورا دو لوگوں کا سوار ہونا ٹھیک نہیں، ذرا کچھ دن میں انجن رواں ہوجائے تو کوئی حرج نہیں انکار کیا، تکلف کرتے دیکھ کر سوار بائیک سے اتر گیا اور چابی دوست کو دے کر محبت سے اصرار کیا، بات مان لو، یا تو بائیک چلاؤ اور میں پیچھے بیٹھتا ہوں، ورنہ تم موٹر سائیکل پر چلے جاؤ میں کسی اور سواری سے آجاؤں گا۔ یہ موٹر سائیکل میری نہیں تمہاری ہے، دوست کے بہت اصرار پر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی، اور مالک دوست کو پیچھے بٹھالیا، دونوں محبت میں خوشی خوشی اس ریلوے کراسنگ پر پہنچے، ٹرین آنے والی تھی، پھاٹک بند تھے، اس لئے موٹر سائیکل روکی، اوپر ایک چیل اپنی چونچ میں ایک سانپ کو اٹھائے لے جارہی تھی، وہ سانپ اس کی چونچ سے چھوٹا اور موٹر سائیکل کے مالک کی گردن پر گرا، سانپ زندہ اور زہریلا تھا اس نے اس کی گردن پر ڈسا اور نیچے گر گیا، چیل نیچے اتری اور دوبارہ اس سانپ کو اٹھا کر لے گئی، موٹر سائیکل پر آگے بیٹھے دوست نے محسوس کیا کہ اس کا دوست ایک طرف کو گرا جارہا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے وہ گر گیا، برابر میں گھوڑا بوگی کھڑی تھی، دوست نے اس کو گھوڑا بوگی میں لوگوں کی مدد سے لٹایا اور نصیر آباد واپس اسپتال کی طرف لے چلا، مگر راستہ میں اس کا انتقال ہوگیا۔

زندگی، حیات اور اس کائنات کو پیدا کرنے والے رب نے اس فانی دنیا کی حقیقت کھول کھول کر بیان کی اور صدا لگائی، **وما الحیاۃ الدنیا الا متاع الغرور**، انسان اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح موت کی طرف دوڑ رہا ہے، موت اور اس کا بہانہ اس کی تلاش میں اس کا پیچھا کررہے ہیں، کون سا لمحہ اس کی زندگی کو پانی کے بلبلے کی طرح ختم کردے، ایک پل کا بھروسہ نہیں، ہم روزانہ اپنے سامنے ایسے کتنے لوگوں کے موت کے مناظر، اور موت کے لئے موت وحیات کے مالک کی طرف سے ہونے والے نظام کو دیکھتے رہتے ہیں، مگر نہ جانے کیسے ایسی ناپائیدار اور عارضی دنیا میں دل لگا کر رہتے ہیں جیسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے، گھر کی گھڑی کی ٹک ٹک سے یہ آواز مسلسل ہوشیار کرتی رہتی ہے:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹادی

کتنے ہوش مند ہیں ہمارے مخدوم گرامی حضرت مولانا واضح رشید حسنیؒ جیسے لوگ جنھوں نے آخرت کی ابدالآباد قیام گاہ کو آباد کیا اور اس دنیا میں کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل (دنیا میں مسافر یا راہ سے گذرنے والے کی طرح رہو) کے دانش مندانہ حکم کی تعمیل میں اس دنیا سے بالکل دل نہیں لگایا، اور اپنی پوری صلاحیتیں اور زندگی کا ہر پل الدنیا مزرعۃ الآخرۃ دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھ کر مرنے کے لئے کس طرح جیتے ہیں یہ سبق سکھایا۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے، کہ مرنے کے لئے جینے والوں کی یہ دنیوی حیات بھی مبارک، اور قابل رشک ہے، اور فجر کی اذان کی صدا حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح پر لبیک کہہ کر قرآن مجید سنتے سنتے، موت بھی ایسی قابل رشک کہ اس پر لاکھوں زندگیوں کو رشک آئے۔ کاش اللہ تعالی ہمیں بھی مرنے کے لئے جینے کا سلیقہ عطا فرمائے!!

مولانا محمد کلیم صدیقی